

مسکت اہل السنۃ والجماعۃ کا محافظ و پاسبان
علمی، تحقیقی و اصلاحی

دو ماہی رسالہ

تحفظِ سند علمی

مدنی
ابو حنظلہ عبدالاحق قاسمی
مرکزی مسجد نبیان گڑھ ضلع چور وراجستان

دوماہی علمی و تحقیقی رسالہ

محرم، صفر ۱۴۳۹ھ

جلد: ۱

ستمبر، اکتوبر ۲۰۲۰ء

شمارہ: ۱

تحفظ سنت

زیرنگرانی: حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی مدظلہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ
حضرت مولانا ابراہیم بہلیم صاحب مدظلہ
حضرت مولانا اسد الدین صاحب مدظلہ



مدیر

ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

نائب مدیر

مولانا عارف حسین قاسمی

مجلس ادارت

حضرت مولانا اسرائیل صاحب قاسمی گھوسی
حضرت مفتی رفاقت حسین صاحب قاسمی امر وہہ
حضرت مولانا مفتی محمد حارث صاحب قاسمی لکھنؤ
حضرت مولانا مفتی محمد شکیل صاحب قاسمی سردار شہر
حضرت مولانا مفتی محمد عمیر صاحب قاسمی اندور
حضرت مولانا محمد مبارک صاحب قاسمی کاندھلہ

دفتر اشاعت:

مرکزی مسجد لاڈنوں روڈ سجان گڈھ (راجستھان)

رابطہ نبرات: 9457637025, 9024799841

مجلس مشاورت

حضرت مولانا اکرام الحق صاحب قاسمی سردار شہر
حضرت مولانا عبد الجبار صاحب چورو
حضرت مولانا رفیق صاحب قاسمی بساؤ
حضرت مولانا یونس صاحب مظاہری نوہر
حضرت مولانا عمر عالم صاحب رحمانی سجاگڈھ
حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحب جے پور
حضرت مولانا ارشاد صاحب قاسمی پیکانیر
حضرت مولانا شوکت صاحب قاسمی جھنجھنوں
حضرت مولانا محمود حسن صاحب کھیروا

سالانہ ريععاون مع ڈاک خرچ ۱۵۰ روپے

سالانہ اعزازی تعاون ۵۰۰ روپے

اکاؤنٹ: State Bank Of India

A/c Name: Abdulahad

A/c No. 32516395235

کمپوزنگ: زین العابدین قاسمی نواب گنج، ضلع بہرائچ یو۔ پی۔ 9670660363۔ طباعت: مکتبہ مدنیہ دیوبند

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین
۳	تحفظ سنت
۵	دعائیہ کلمات
۶	کلمات تبریک
۷	بر مالہولہو
۱۰	سورۃ الکواثر
۱۲	وحی کا بیان
۱۶	ماہ محرم کی حقیقت
۲۱	کردار یزید اور شہید کربلا
۲۸	موضوع و ضعیف احادیث کی نشر و اشاعت
	میں علماء غیر مقلدین کا شرمناک کردار
	انکار ختم نبوت اور بریلوی حضرات
۳۶	ماہ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ
۴۴	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
۴۶	اسلام میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت
۴۹	فضائل اعمال پر اعتراضات کا تحقیقی و
۵۴	تفصیلی جائزہ
۶۳	رضا خانی مولویوں کے جھوٹے الزام کا
	جواب

تعارف

تحفظ سنت

عقائد و اعمال کی اصلاح اور الحاد و زندقہ کی بچ کیلئے امیر الہند حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی قیادت و سیادت میں ہزاروں علماء، فقہاء، محدثین اور مشائخین کی نگرانی میں چلنے والی ایک عظیم الشان تحریک کا نام ہے ”تحفظ سنت“۔

حضرت فدائے ملت نے ۲۰۰۱ء میں اس کی بنیاد رکھی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند نے مسلسل اس کی آبیاری کی اور آج یہ پودا ایک ایسی خوبصورت شکل و صورت، مضبوط قد و قامت اور وسیع میدان عمل کے ساتھ موجود ہے کہ جس کی شاخیں نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ بیرون ہند بھی اپنی نورانی چھاؤں میں بندگان خدا کو احقاق حق و ابطال باطل کا حسین درس دینے میں مصروف ہیں۔

آج سے تقریباً چھ سال قبل صحرائی و ریگستانی بے آب و گیاہ سرزمین راجستھان کے سجان گدھ میں بھی اس تحریک کا آغاز ہوا اور کسی مادی سہارے کے بغیر محض خدا کے بھروسے، نامساعد حالات، دشوار گزار وادیوں، پُر خار راستوں کو طے کرتے ہوئے یہ تحریک آہستہ ہی سہی؛ لیکن منزل کی جانب گامزن رہی اور آج بھگوان اللہ راجستھان کا ایک بڑا علاقہ اس کے فیوض و برکات کا قائل و معترف ہے۔

آج اسی تحریک کے زیر سایہ مادی اسباب و وسائل کے بغیر محض توکل علی اللہ دو ماہی مجلہ ”تحفظ سنت“ جاری کرنے کی جرات کی گئی ہے، اگرچہ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ راستہ دشوار ہے، منزل دور ہے، ہوا مخالف ہے، قدم پُر آبلہ ہیں، لیکن پھر بھی یہ سوچ کر عزم سفر کا حوصلہ کیا ہے کہ

انجام اس کے ہاتھ ہے آغاز کر کے دیکھ
بھگے ہوئے پروں سے ہی پرواز کر کے دیکھ

نہ ہمارے پاس کوئی خود مختار ادارہ ہے نہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی، نہ اسباب و وسائل کی فراوانی اور نہ ظاہری جاہ جلال، پھر بھی خدا کی حقیقی مدد و نصرت کے علاوہ اگر اس مادی و ظاہری دنیا میں کوئی طاقت ہمیں مخالف حالات سے مقابلہ کا حوصلہ دیتی ہے وہ ہے بزرگوں اور اکابرین کی دعائیں اور اپنے سیدھے سادے مخلص ساتھیوں کی حوصلہ افزائی و کرم فرمائی۔

مجلہ دو ماہی ”تحفظ سنت“ ہر قسم کے باطل اور ہر اسلام دشمن طاقت سے مقابلہ آرائی و پنچہ آزمائی کا ارادہ رکھتا ہے، امید ہے تحریک تحفظ سنت سے وابستہ افراد اور رسالے کے قارئین اس مقصد کیلئے اپنے ہر ممکن تعاون سے کبھی دریغ نہیں کریں گے۔ ان شاء اللہ

ابتدا میں یہی فکر سوار تھی کہ اگر پانچ سو رسالے بھی جاری کئے جائیں تو لوگوں تک کیسے پہنچیں گے اور ہم فقیروں کی کون سنے گا؛ لیکن رب ذوالجلال کا کرم و احسان اور محبین و معاونین کی کرم فرمائی دیکھئے کہ ایک ایک فرد نے

تقریباً پچاس پچاس رسالوں کی ذمہ داری لے لی اور اشاعت سے ایک ماہ قبل ہی ذوالقعدہ میں پانچ سو رسالے بک ہو گئے اور ہمیں اپنا پہلا ارادہ تبدیل کر کے ایک ہزار رسالوں کی اشاعت کرنی پڑی۔ فالحمد للہ علی ذلک دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس رسالے کو ہر قسم کی نظر بد، شر و فتن اور حسد و عداوت سے محفوظ فرما کر ترقی و عروج کی انتہا تک پہنچائے اور احقاق حق و ابطال باطل کی مشکل ترین ذمہ داری کو بحسن و خوبی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز جن اکابرین و بزرگان دین نے اپنے مشوروں و دعاؤں سے نواز ہے ان کے سایہ کو سلامتی و عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیں مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ساتھ ہی جن ساتھیوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی اور رسالے کی نشر و اشاعت میں تعاون کیا اللہ انہیں بھی خوشیاں، کامیابیاں اور دونوں جہان کی ترقیاں عطا فرمائے۔

اِس دعا ازمن واز جملہ جہاں آمین باد

اکابر علمائے اہل سنت و جماعت (علمائے دیوبند) کی سرپرستی و نگرانی

میں شائع ہونے والے

دوماہی علمی و تحقیقی رسالہ

”تحفظ سنت“

کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیجئے! خود بھی ممبر بنئے اور دوسروں کو بھی ممبر بنائیے!

سالانہ زر تعاون مع ڈاک خرچ صرف ۱۵۰ / روپے

ممبر بننے کیلئے درج ذیل نمبرات پر کال کیجئے

9457637025, 9024799841

اور گھر بیٹھے رسالہ حاصل کیجئے!

دعائیہ کلمات

دوماہی رسالہ ”تحفظ سنت“ کے اجراء کے موقع پر مدیر اور رسالہ کے تعلق سے استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد راشد اعظمی مدظلہ استاد حدیث وفقہ و ناظم شعبہ تحفظ سنت دارالعلوم دیوبند کی تحریر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا عبدالاحد صاحب سہارنپوری زید لطفہ جو سجان گڈھ راجستھان میں رہتے ہیں۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمات و اشاعت اور ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کی شاہراہ ہدایت سے مخرف لوگوں کی اصلاح و ہدایت کا بہترین جذبہ عنایت فرمایا ہے، مولانا موصوف بڑی جرأت اور شجاعت کے ساتھ اہل بدعت کے شر سے دین کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، نیز ان لوگوں کی بھی سرکوبی کرتے ہیں جو حدیث پر عمل کا دعویٰ کر کے دین کے اصولوں اور کتاب و سنت اور جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دوری اختیار کرتے ہیں، بڑی ہی خوشی کی بات ہے کہ مولانا نے انہیں فتنوں کا سد باب کرنے اور کتاب و سنت کے اصول صحیح کی اشاعت کرنے کے جذبہ سے ایک رسالہ بنام ”تحفظ سنت“ نکالنے کا فیصلہ کیا ہے، چنانچہ اس دوماہی رسالہ کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ یہ رسالہ باطل فرقوں کی تردید کے سلسلہ میں بہت اہم ہے اس لیے میری تمام مسلمانوں اور بطور خاص علمائے کرام سے درخواست ہے کہ آپ حضرات خود بھی اس کے ممبر بنیں اور اپنے حلقہ اثر میں زیادہ سے زیادہ اس کے ممبر بنانے کی سعی کریں تاکہ اس کی اشاعت عام ہو اور زیادہ سے زیادہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو کامیاب و مقبول اور امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اللہ تعالیٰ مولانا کے کاموں میں برکت اور قبولیت عطا فرمائے۔

احقر محمد راشد اعظمی

دارالعلوم دیوبند

۱۵ / ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ

کلمات تبریک

دوماہی رسالہ تحفظ سنت کے اجرا کے موقع پر مدیر کے نام مشکم اسلام حضرت مولانا الیاس گھمن حفظہ اللہ کی دعائیہ و مبارکباد کی تحریر

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں (سنتوں) کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا اور اسی کو باعث نجات بھی قرار دیا۔ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حجت شرعیہ ہے اور اتباع سنت محبت خداوندی کے حصول؛ بلکہ خود اللہ کے محبوب بننے کا ذریعہ ہے۔ خدائی احکامات اور قرآنی تعلیمات پر سنت رسول کے بغیر عمل پیرا نہیں ہوا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و حقیقت اطاعت خداوندی ہی ہے۔ قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث کے مطالعے کے بعد یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں رہتا کہ دین اسلام میں اتباع سنت کی حیثیت جزوی نہیں؛ بلکہ اساسی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت کا دائرہ محض عبادات کی حد تک محدود نہیں؛ بلکہ طرز معیشت و معاشرت کو بھی اسی کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔ دشمنان اسلام کو اس بات کا بخوبی علم ہے اس لیے وہ مختلف طریقوں سے سنت کو غیر اہم، بے وقعت، وجہ اختلاف و افتراق، مخصوص علاقے اور مخصوص حالات اور زمانے کا کلچر کہہ کر اس پر شب خون مارنے پر تلا ہوا ہے۔ یورپ کے مستشرقین، برصغیر پاک و ہند کے متجددین اور بعض نام نہاد علماء، نام نہاد مذہبی اسکالرز اور دین اسلام میں تحریف کرنے والے جہلاء اس کی اس اساسی اور بنیادی حیثیت کو مشکوک بنا کر ختم کرنے کے لیے شب و روز محنت کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں لوگوں کو بدعات، رسومات، خرافات، فرنگی تہذیب اور غیر اسلامی کلچر سے نجات دلا کر ان میں سنتوں کو زندہ کرنا احیائے سنت کہلاتا ہے جس سے معاشرے میں سنت زندہ ہوتی ہے جبکہ تحفظ سنت ایسا مبارک کام ہے جس سے سنت زندہ رہتی ہے۔ اس مبارک کام کا مبارک جذبہ جس کے دل میں پیدا ہو وہ بھی قابلِ صدم مبارک باد ہے۔

برادر مکرم مولانا ابو حنظلہ عبدالاحد قاسمی زید مجدہ نے دوماہی تحفظ سنت کے نام سے ایک رسالے کے اجراء کی خواہش کا اظہار فرمایا اور اس سلسلے میں ایک مکتوب میرے نام بھیجا۔ جس میں مجھے حکم فرمایا کہ میں اس پر تائیدی کلمات لکھ دوں۔ اگرچہ یہ مبارک کام مجھ سمیت کسی شخص کی تائید کا محتاج نہیں؛ بلکہ اس کام میں خود اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال رہتی ہے تاہم اپنی خوش قسمتی اور سعادت مندی کے پیش نظر چند کلمات تحریر کر کے اپنا حصہ اس مبارک کام میں ڈال رہا ہوں۔ میں برادر مکرم مولانا ابو حنظلہ عبدالاحد قاسمی کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے جس مبارک کام کے لیے قدم اٹھایا ہے اس کی آخری منزل اللہ کی جنت، جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس اور باری عزوجل کا دیدار ہے۔ جن حضرات نے سرپرستی کی یقین دہانی فرمائی ہے امید ہے کہ ان کی سرپرستی آپ کی اس محنت کا جلد ثمرہ لائے گی۔

اللہ تعالیٰ اس محنت کو معاشرے کی ہدایت، برادر مکرم مولانا ابو حنظلہ عبدالاحد قاسمی اور ان کے رفقاء کار کے لئے دنیوی و اخروی نجات اور روزِ محشر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔ والسلام

محمد الیاس گھمن

برمالہولہو

ابھی گذشتہ چند دنوں سے ہندوستان کی سرحدوں سے متصل ملک برما کے مسلم اکثریتی صوبہ اراکان میں بدھشت دہشت گردوں اور حکومتی افواج کے ذریعہ جس طرح روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے وہ پوری انسانیت کیلئے شرم کی بات ہے، ہزاروں عورتوں، معصوم بچوں سفید ریش بزرگوں اور نوجوانوں کو ذبح کر دیا گیا، زندہ جلادیا گیا، انسانی اعضاء بوٹیاں بنا کر چیل اور کووں کو کھلا دیئے گئے، ہزاروں عورتوں کو فوج میں تقسیم کر دیا گیا وغیرہ ایسے ناروا وغیرہ انسانی سلوک کئے گئے کہ شیطان بھی شرم سے سر جھکا لے۔

یہ روہنگیا وہ بدنصیب قوم ہے جس کے قتل عام پر غیر مسلم حکمران تو دور مسلم حکمران بھی بے غیرتی اور ضمیر فرشتی کے ساتھ خاموش تماشا کی بنے ہوئے ہیں، برما کوئی سپر پاور یا ایٹمی ہتھیاروں والا ملک نہیں؛ بلکہ صرف سات کروڑ کی آبادی والا معاشی اور اخلاقی اعتبار سے نہایت پسماندہ اور غریب سالک ہے، اس ملک میں بدھ مذہب والوں کی اکثریت ہے؛ لیکن اس کے باوجود بھی کوئی اسلامی حکومت اس ظالم برمی حکومت سے سوال کرنے کو تیار نہیں، مسلم حکمرانوں کی بے غیرتی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، اس مظلوم و بے بس روہنگیا قوم کو ہر سواندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے۔

قطر کے معاملے میں بہادری اور غیرت دکھانے والے سعودی اور اس کے اتحادی حکمرانوں کی زبانیں گنگ ہو چکی ہیں، ہندوستان کو ایٹمی ہتھیاروں کی دھمکیاں دینے والے پاکستانی سیاستدانوں اور فوجی جرنیلوں کو سانپ سوگھ گیا ہے، ۳۹ ملک کا اسلامی فوجی اتحاد بھی بے غیرتی کی چادر تان کر سویا ہوا ہے، اس گھناؤپ اندھیرے اور یاس و حسرت کے ماحول میں اگر کوئی روشنی نظر آئی اور امید کی دھندلی سی کرن دکھائی دی تو وہ ہے خلافت عثمانیہ کی یادگار ترکی کے باضمیر اور غیرت مند صدر جناب رجب طیب اردوگان صاحب حفظہ اللہ اس مرد مجاہد نے تن تہاروہنگیا قوم کیلئے جو تک و دو اور کوشش کی وہ قابل ستائش بھی ہے اور دیگر مسلم حکمرانوں کیلئے ایک مثال بھی۔ اس شخص نے پہلے تو بنگلہ دیش سے اپیل کی کہ وہ سرحد پر بھگتی ہوئی بے یار و مددگار روہنگیا قوم کیلئے اپنی سرحد کھول دے اور انہیں اپنے ملک میں اقامت کی اجازت دیدے، ان کا مکمل خرچ ترکی حکومت برداشت کرے گی، چنانچہ اس اپیل کا فوری اثر ہوا اور بنگلہ دیش نے اپنی سرحدیں کھول دیں جس کے بعد تقریباً تین لاکھ روہنگیا مسلمان تاحال بنگلہ دیش میں پناہ گزین ہو چکے ہیں۔ دوسرے نمبر پر تقریباً تمام مسلم حکومتوں کو فون کر کے اس معاملے کو سنجیدگی سے لینے اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ آواز بلند کرنے کی اپیل کی، اس اپیل کا جیسا اثر دیکھنا چاہئے تھا وہ تو نظر نہیں آیا؛ البتہ برما حکومت کے خلاف کچھ آوازیں اور بھی اٹھنے لگیں۔ تیسرے نمبر پر برما کی وزیراعظم آنک سان سوکی سے بات کر کے معاملہ کا حل نکالنے کی کوشش کی، اس گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ اب تک خاموش تماشا کی بنی بیٹھی سوکی کو اس مدعے پر بول کر اپنی صفائی دینی پڑی۔ چوتھے نمبر پر کھانے پینے اور ادویہ وغیرہ ساز و سامان سے لدے جہاز برما بھیج کر فوری تعاون پیش کیا، جس سے بے سہارا لوگوں کو بڑا سہارا ملا۔ پانچویں نمبر پر اردوغان کی اہلیہ امینہ طیب کی قیادت میں ترکی کے ایک اعلیٰ سطحی وفد نے بنگلہ دیش میں موجود روہنگیا کیمپ پہنچ کر بے سہارا لوگوں کو دلاسا دیا اور ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی ساتھ

ہی ریلیف فنڈ بھی تقسیم کیا

چھٹے نمبر پر ۱۹ ستمبر میں ہونے والے اقوام متحدہ کے اجلاس میں پوری طاقت و قوت کے ساتھ اس معاملے کو عالمی سطح پر اٹھانے کا وعدہ کیا ہے۔ فجزاۃ اللہ احسن الجزاء
جتنی کوشش تنہا طیب اردوغان نے کی اگر تمام مسلم حکمران مل کر یہ کوشش کر لیتے تو آج برما حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑتے اور روہنگیا کا یہ مسئلہ ہمیشہ کیلئے حل ہو جاتا؛ لیکن افسوس کہ مسلم حکمرانوں نے اپنے یہود و نصاریٰ آقاؤں سے پوری امت کے جان و مال اور عزت و آبرو کا سودا کر لیا اور مکمل طور پر اپنے بے ضمیری اور بے غیرتی کا ثبوت دیا۔
ہم رجب طیب اردوغان کو ملت اسلامیہ کے تئیں ان کی غمگساری اور ایثار و محبت کیلئے سلام پیش کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھئے پوری قوم آپ کے ساتھ ہے، لاکھوں کروڑوں لوگ راتوں کی تنہائیوں میں آپ کی صحت و عافیت اور بقا و سالمیت کیلئے دعائیں کرتے ہیں، آپ کی محنت اکارت نہیں جائیگی، ضرور صبح کی سپیدی نمودار ہوگی اور یہ تاریکی اپنے انجام کو پہنچے گی۔ (ان شاء اللہ) اور اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر اپنے بری بھائیوں کیلئے دعا کریں اور اگر ان کے لئے تعاون کی کوئی شکل بنتی نظر آئے تو خوب دل کھول کر تعاون کریں ساتھ ہی اپنی اپنی سطح پر آواز بھی بلند کرتے رہیں، خاموش بالکل نہ بیٹھیں؛ کیونکہ خاموشی بے غیرتی کو جنم دیتی ہے، اور مسلم حکمرانوں سے گزارش کریں گے کہ خدارا! امت کے حال پر رحم کھائیں اور بے غیرتی و ضمیر فروش کی دلدل سے باہر نکلیں ورنہ یہی ذلت کل تمہارا بھی مقدر بنے گی اور اس وقت تمہیں بھی کسی کے تعاون اور مدد کی ضرورت ہوگی اور پھر کوئی بھی تمہارے حق میں آواز بلند کرنے والا نہیں ہوگا۔

جلتے گھر کو دیکھنے والو! پھونس کا چھپر آپ کا ہے
آگے پیچھے تیز ہوا ہے آگے مقدر آپ کا ہے
اس کے قتل پہ میں بھی چپ تھا میرا نمبر اب آیا
میرے قتل پہ آپ بھی چپ ہوا گلا نمبر آپ کا ہے

اس ماہ کے شروع میں ہمارے وزیراعظم مودی بھی برما کا دورہ کر کے آئے ہیں، بعض لوگ اپنی خام خیالی میں یہ امید لگا رہے تھے کہ شاید مودی جی برما جا کر روہنگیا کا معاملہ اٹھائیں گے؛ لیکن ان کی یہ امید اس وقت خاک میں مل گئی جب مودی نے برما میں روہنگیا معاملہ کو توڑ پھوڑا تک نہیں؛ البتہ دیگر غیر ضروری دلائلی مدعوں پر خوب گفتگو کی، ویسے اسرائیل سے ہاتھ ملا کر اور فلسطین کو درکنار کر کے مسلمانوں کے تئیں مودی جی نے اپنا رخ صاف کر دیا تھا اس لئے اب بھی اگر ان سے کوئی اسلامی ہمدردی کی توقع رکھتا ہے تو یہ اس کی نری حماقت ہے؛ لیکن اب معاملے میں ایک نیا موڑ آ گیا ہے اور خبریں آرہی ہیں کہ بدھشت دہشت گردوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ برما کے ہندوؤں کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے اور بڑی تعداد میں برمی ہندو بھی اب در بدر کی ٹھوکریں کھانے کو مجبور ہیں، اب ایسے میں دیکھنا ہے کہ خالص ہندو کی سیاست کرنے والے مودی جی اب بھی خاموش رہیں گے یا کچھ کریں گے؟
ویسے اقوام متحدہ اور دنیا بھر کی نام نہاد حقوق انسانی کی تنظیموں سمیت تمام غیر مسلم حکمرانوں سے ہمیں نہ کل

امیدیں تھیں اور نہ آئندہ ہوں گی، یہی وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی نسل کشی پر خاموش رہ کر تماشا دیکھتے ہیں؛ بلکہ تالیاں بجاتے ہیں اور جب کوئی مصیبت کا مارا مسلمان مجبور و لاچار ہو کر دو چار ظالموں کو تنہا کر دیتا ہے تو یہی لوگ سوگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور سب مل جل کر مذمتی بیانات جاری کرتے ہیں، کاروائیوں کی مانگ کرتے ہیں؛ کیونکہ انہیں کے اشاروں پر کشت و خون کا یہ سارا کھیل کھیلا جاتا ہے اور پھر انہیں کی مرضی سے آنگ سان سوکی جیسی ظالم و جابر عورت کو نوبل پرائز (امن پسندی کا عالمی ایوارڈ) سے بھی نوازا دیا جاتا ہے۔

آخر میں ہم اپنے برمی بھائیوں کی خدمت میں نہایت درد و کرب کے ساتھ گزارش کرتے ہیں کہ آپ کی تکلیف نے ہماری بھی نیندیں اڑا دیں ہیں، ہم بھی مجبور ہیں کہ آپ کی مدد نہیں کر سکے؛ لیکن صبح و شام آپ کیلئے دعائیں مانگ رہے ہیں، صدقے کر رہے ہیں اور اندر ہی اندر زار زار رو رہے ہیں اور صبر کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ بھی نہیں، آپ سے بھی یہی کہیں گے کہ اللہ رب العزت سے مدد مانگتے رہیں، صبر کریں، حوصلہ رکھیں، آپ کی آپہن عرش تک پہنچ چکی ہیں اور بہت جلد رب ذوالجلال خود ظالموں سے انتقام لے گا، آپ کا خون رائیگاں نہیں جائیگا، آپ کی قربانیاں ایک نئی کر بلا کی عبارت لکھیں گی؛ کیونکہ

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

برمی بھائیو! آپ کے لبو کی سرخی افق عالم پر صبح صادق بن کر نمودار ہوگی، ظلم کا سورج غروب ہوگا اور کامیابی و کامرانی کی ایک نئی صبح کا آغاز ہوگا (ان شاء اللہ) کیونکہ

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے

یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

قنوت نازلہ کا حکم

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے) ”ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ قنوت نازلہ کے احکام اصل مذہب میں متفق نہیں؛ اسلئے میں نماز پنجگانہ کے بعد دعا کرنے کو بہتر سمجھتا ہوں، اور میں نے تو اس موقع خاص کیلئے بعض دعائیں قرآن وحدیث سے منتخب کر لی ہیں، ہر نماز کے بعد یا جس وقت جی چاہا پڑھ لیتا ہوں۔ ایک بات تو یہ بھی قابلِ نظر ہے کہ قنوت نازلہ کا اختیار کرنا دوسروں کو یاد دلانا ہے کہ ہمیں فکر ہے، اندیشہ ہے، میرے نزدیک بجائے قنوت نازلہ کے یہ ہی بہتر ہے کہ ہر نماز پنجگانہ کے بعد دعا کریں، یہ عجیب وغریب طریق ہے۔ میں نے بھی پہلے قنوت نازلہ پڑھی ہے، مگر زیادہ تر رجحان اسی طرف تھا کہ جب کہ ایک طریقہ اسلم و اسہل ہے اور اس میں اخفا بھی ہے۔ اس کو ہی کیوں نہ اختیار کیا جاوے۔ دوسرے طریق میں اظہار ہے۔ اور اخفا کی صورت بہتر ہے اظہار سے۔ اور حضرت! جو اصلی تدبیر ہے اس کی طرف اس وقت تک بھی کسی کو خیال نہیں، وہ یہ کہ اپنے اعمال کی اصلاح میں لگ جائیں، اگر ایسا کریں تو چند روز میں ان شاء اللہ اس کی برکت سے دشمن خائف ہو جائیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ۱/۳۱، ۳۲)

سورة الكوثر

إِنَّا آتَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۚ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۚ

ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے، بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو مشرکین نے آپ کے بارے میں یہ کہہ کر طعنہ زنی شروع کر دی کہ اب ان کے بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ ان کی اولاد زینہ باقی نہیں رہی اور ان کے انتقال کے بعد کوئی ان کا نام لینے والا بھی نہیں رہے گا، نبی ﷺ کو ایک جانب تو بیٹے کی جدائی کا غم دوسری جانب ان مشرکین کی طعنہ زنی، اس لئے آپ سجدہ رنجیدہ خاطر ہو گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کا رنج و غم دور کرنے اور آپ کو تسلی و دلاسا دینے کیلئے یہ سورت نازل فرمائی، جس میں خبر دی ہے کہ اے نبی آپ کو بالکل رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے رب نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔

الکوثر کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں: (۱) کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور یہ عبداللہ بن عباسؓ و دیگر جمہور مفسرین کا قول ہے، اس تفسیر کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ اے نبی! ہم نے آپ کو دنیا و آخرت کے ہر طرح کے کمالات، خوبیوں اور بھلائیوں سے نواز ہے، اگرچہ آپ کی صلیبی اولاد زینہ زندہ نہیں رہی؛ لیکن آپ کی نبوت و رسالت کے طفیل ہدایت یافتہ امت آپ کی روحانی اولاد ہے، جو سارے نبیوں کی امتوں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے، آپ کی یہ روحانی اولاد آپ کے نام کا بول بالا رکھے گی اور آپ کا ذکر ہمیشہ بلند رہے گا، صرف دنیا میں نہیں میدانِ محشر میں شفاعت کبریٰ، حوضِ کوثر اور مقامِ محمود کے اعلیٰ ترین اعزاز عطا فرما کر اور پھر جنت میں بھی دخولِ اولیں اور درجات کی بلندی وغیرہ کے ذریعہ اللہ آپ کے ذکر خیر کو بلند رکھیں گے، دوسری بات یہ کہ اگر آپ کی نر اولاد زندہ نہ رہی تو کیا ہوا، آپ کی بیٹیاں تو ہیں، اللہ انہیں کے ذریعہ آپ کی نسل کو زندہ و جاوید رکھے گا، چنانچہ آج آپ کی بیٹی فاطمہؓ کی نسل پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ (۲) کوثر کی دوسری تفسیر حوضِ کوثر سے کی گئی ہے، حوضِ کوثر ایک ایسا خوبصورت، وسیع و عریض اور صاف شفاف چشمہ ہے جس کا پانی (صفائی میں) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، حوض پر پانی پینے کیلئے ستاروں کی تعداد کے برابر (لا تعداد) خوبصورت برتن ہوں گے، جو اس حوض سے ایک بار پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ ﷺ اس حوض پر اپنی امت کو خود اپنے ہاتھ سے جام بھر کر پلائیں گے۔ یوں تو دوسرے نبیوں کے بھی حوض ہوں گے؛ لیکن سب سے بڑا حوض ہمارے نبی کا ہوگا اور سب سے زیادہ پینے والے بھی ہمارے نبی کی حوض پر آئیں گے اس لئے آپ ﷺ تمام انبیاء پر فخر فرما رہے ہوں گے۔ ان دونوں تفسیروں میں پہلی تفسیر رائج ہے؛ کیونکہ اس میں خیر کثیر کا ذکر ہے اور خیر کثیر میں حوضِ کوثر بھی داخل ہے۔

فصل لربك وانحر جب آپ کے رب نے آپ کو اتنا نوازا ہے اور آپ کے ذکر کو اتنا بلند کر دیا ہے

اور آپ کو ایسی عظیم الشان دنیوی و اخروی نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو اب اپنے رب کا شکر ادا کرنے کیلئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ عبادتوں میں نماز اور قربانی کا ذکر اس لئے کیا کہ جانی عبادتوں میں نماز سب سے افضل ہے اور مالی عبادتوں میں قربانی سب سے افضل ہے، اگرچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ نماز کے ساتھ قربانی کے بجائے زکوٰۃ کا ذکر ہے؛ لیکن یہاں بطور خاص قربانی کا ذکر اس لئے کیا کہ مکہ کے مشرکانہ ماحول میں جہاں بتوں کے نام پر قربانیاں ہوتی ہوں وہاں صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک کے نام پر قربانی کرنا گویا مشرکانہ رسوم کی جڑیں اکھاڑنا ہے؛ اس لئے اس ماحول میں اللہ کیلئے قربانی افضل عبادت ہے۔

وانحر کی تفسیر میں بعض مفسرین نے حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ہے کہ وانحر کا مطلب نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہے؛ لیکن یہ دونوں روایات سخت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں، عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت تو موضوع ہے؛ البتہ حافظ ابو عمر بن عبد البرؒ نے اپنی کتاب التمهید جلد ۲۰ صفحہ ۷۸ پر سنن اثرم کے حوالے سے بالکل صحیح سند کے ساتھ وانحر کی تفسیر میں حضرت علیؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ (نماز میں) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا چاہئے۔

إِنَّ شَأْنَيْكَ هُوَ الْاِبْتِغَاءُ بِانْشَاءِ مَشْرُوعٍ لِنَسْلِ اور ابتر ہونے کے طعنے دیتے تھے، اللہ نے فرمادیا کہ اے نبی! آپ کی روحانی و صلی نسلوں کی بقا کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں آپ کا ذخیرہ ہمیشہ باقی رہے گا؛ لیکن آپ کا دشمن جو آپ کو عیب لگاتا ہے اور نسل ختم ہونے کے طعنے دیتا ہے وہ خود ہی بے نام و نشان ہو جائیگا اور اس کا نام لینے والا بھی کائنات میں کوئی باقی نہ رہے گا۔ اور ایسا ہی ہوا چنانچہ آپ ﷺ کی روحانی و صلی اولاد تو دنیا بھر میں موجود ہے؛ لیکن طعنے زنی کرنے والے مشرکین کا کوئی نام و نشان باقی نہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نَوَّارَ اللہ مَرَقَدَاہُ نے)

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بالکل ہر طرح سے کامل پیدا فرمایا ہے ظاہراً بھی باطناً بھی، حتیٰ کہ خوبصورت بھی کامل عطا فرمائی گئی تھی، اور ہمارے حضور ﷺ تو اس قدر جامع تھے کہ اگر کسی کو حضور ﷺ کے کمالات بھی نہ معلوم ہوں تو صورت ہی دیکھ کر کشف ہوتی تھی، اور حضور ﷺ تو بڑی چیز ہیں حضور ﷺ کے غلاموں کی صورت دیکھ کر اہل نظر کو کشف ہوتی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ بریلی ایک جلسہ میں شریک ہوئے تھے، ان کو ایک غالی بدعتی کے ایک مرید نے دیکھ کر ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ مولانا خلیل احمد صاحب ہیں، کہا ان کو وہابی کہتے ہیں، کیا وہابی کی صورت پر ایسا نور ہو سکتا ہے؟ یہ لوگ ہرگز وہابی نہیں ہو سکتے، لوگ فضول ان کو بدنام کرتے ہیں۔ اب بتلائے کہ اس نے مولانا کی کونسی کرامت دیکھی تھی؟ یا کون سے علوم ظاہرہ یا باطنہ دیکھے یا سنے تھے؟ محض صورت ہی تو دیکھی تھی، صورت دیکھ کر بے ساختہ یہ کہنا پڑا، واقعی حق کا نور کب چھپتا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۸/۲۲۲)

وحی کا بیان

ابو حنظلہ عبدالاحد قاضی

وحی کے لغوی معنی ”الاشارة السریعة الخفیة“ (خفیہ تیز اشارہ) اور اصطلاحی معنی ”انبیاء کیلئے اللہ کا پیغام“۔ لغوی اعتبار سے انسان، جنات، جاندار، غیر جاندار، نبی وغیر نبی سبھی کی طرف وحی کی نسبت کی جاسکتی ہے، قرآن میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں؛ لیکن شرعی اعتبار سے وحی صرف انبیاء کیلئے خاص ہے، غیر انبیاء کی جانب اس کی نسبت حرام ہے۔

عن عائشة ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ان الحارث بن ہشام سأل رسول اللہ ﷺ فقال: یا رسول اللہ! کیف یأتیک الوحی؟ فقال رسول اللہ ﷺ: احياناً یأتیننی مثل صلصلة الجرس و هو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال، و احياناً یتمثل لی المملک رجلاً فیکلمنی فاعی ما یقول، قالت عائشة رضی اللہ عنہ: ولقد رأیتہ یُنزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البدر فیفصم عنه وان جبینہ لیتفصد عرقاً (صحیح البخاری ج ۱ ص ۲) ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کبھی تو میرے پاس وحی آتی ہے گھنٹی کی آواز کی طرح، اور وحی کی یہ کیفیت میرے اوپر بہت بھاری ہوتی ہے، یہ آواز ختم ہوتی ہے تو میں اللہ کے کلام کو محفوظ کر چکا ہوتا ہوں، اور کبھی وحی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آکر مجھ سے گفتگو کرتا ہے اور میں اس کی بات کو محفوظ کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے دیکھا ہے کہ شدید سردی کے زمانے میں آپ پر وحی کا نزول ہونے کے بعد آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپ ٹپ گر رہا تھا۔

حضرت حارث بن ہشامؓ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بھائی ہیں، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، وحی کے تعلق سے بہت کچھ سن چکے تھے اسی لئے شدت شوق میں آپ ﷺ سے پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کے نزول کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ ان کا یہ سوال کسی شک یا تردید کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ شوق کے غلبے میں اور اطمینان حاصل کرنے کیلئے تھا۔ آپ ﷺ نے بھی انہیں مایوس نہیں کیا اور تسلی و محبت کے ساتھ ان کی بات کا جواب ارشاد فرمایا کہ: میرے اوپر وحی کا نزول کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ گھنٹی کی آواز یا کسی چکنے پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے جیسی آواز سنائی دیتی ہے اور جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو وحی میرے سینے میں محفوظ ہو جاتی ہے۔

گھنٹی کی یہ آواز کس کی تھی؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جن میں مشہور اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آواز وحی کی اصل آواز تھی یعنی خود باری تعالیٰ عز اسمہ کے کلام نفسی کی آواز تھی، اب یہاں ہمیں اللہ رب العزت کی صفت صوت (آواز) کے متعلق وہی عقیدہ رکھنا ہے جو دیگر صفات تشابہات ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) ساق (پنڈلی) وغیرہ کے متعلق رکھتے ہیں کہ جب قرآن وحدیث نے ان صفات کی خبر دیدی تو یہ صفات یقینی ہیں؛ لیکن ایسی نہیں جیسی

ہماری ہیں بلکہ جیسا اللہ کی شان کے لائق ہو۔

وحی کی اس کیفیت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے حضرت حارثؓ کی دلجوئی کیلئے ایک مزید بات بھی بتلا دی، وہ یہ کہ وحی کی یہ کیفیت تمام کیفیات وحی میں مجھے سب سے زیادہ سخت اور بھاری محسوس ہوتی ہے۔ ویسے تو وحی کی صورتیں بڑی شدید ہیں؛ کیونکہ اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام بڑی عظمت و رفعت والا کلام ہے، خود اللہ نے قرآن کریم میں اپنے کلام کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَنَّا كَسَلْنَا لِقَیِّكَ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (مزمل آیت: ۵) ترجمہ: (اے نبی) بیشک ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا اَنَّا نَزَّلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَیْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشَیَةِ اللّٰهِ (الحشر آیت ۲۱) ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تُو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا الْاٰیَةُ (الاحزاب آیت ۷۲) ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سوائے انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔

کلام الہی کی اسی ہیبت اور عظمت و جلال کی وجہ سے نزول وحی کے وقت آپ بڑی شدت محسوس فرمایا کرتے تھے؛ لیکن نزول وحی کے وقت آپ کو سب سے زیادہ مشقت اور شدت کا سامنا اس وقت ہوتا جب اس مذکورہ طریقہ پر وحی نازل ہوتی۔ اس طریقہ میں شدت کی وجہ یہ ہے کہ یہ آواز اللہ رب العزت کی آواز ہوتی اور پروردگار براہ راست آپ ﷺ سے مخاطب ہوتا، بندہ بہر حال بندہ ہے کتنا بھی صعود کرے اور رب بہر حال رب ہے کتنا بھی نزول کرے اس لئے اس طریقہ پر وحی میں آپ کو زیادہ شدت برداشت کرنی پڑتی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے جناب نبی ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! اہل تحس بالوحی؛ فقال رسول اللہ ﷺ: نعم اسمع صلاصل ثم اسکت عند ذلك فما من مرة یوحی الی الا ظننت ان نفسی تفیض (مسند احمد ج ۶ ص ۸۴۲) ترجمہ: یا رسول اللہ! کیا آپ وحی کو محسوس فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، مجھے پتھر پر زنجیر کھینچنے جیسی آواز سنائی دیتی ہے تو میں خاموش ہو جاتا ہوں (اپنی مکمل توجہ وحی الہی کی جانب لگا دیتا ہوں) کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور مجھے (شدت و ثقل کی وجہ سے) ایسا لگنے لگتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی۔

وحی کی دوسری شکل آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آکر مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور جو باتیں بتلاتا ہے میں انہیں محفوظ کر لیتا ہوں، کتب احادیث میں ایسی بہت ساری مثالیں ہیں جب جبریلؑ کسی انسان کی شکل میں آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور پیغام الہی پہنچا کر رخصت ہو گئے، سب سے مشہور واقعہ وہ ہے جو صحیحین میں بروایت حضرت عمرؓ نقل کیا گیا اور حدیث جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے جس کے الفاظ ہیں بینما نحن عند رسول اللہ ﷺ اذ طلع علینا رجل شدید بياض الثياب شدید سواد الشعر لا یری علیہ اثر السفر ولا یعرفہ منا احد۔ ترجمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے اتنے میں ایک آدمی مجلس میں تشریف لائے جن کے کپڑے بالکل سفید اور بال بالکل سیاہ تھے، نہ ان پر سفر کا کوئی اثر تھا نہ ہم

میں کوئی انہیں پہچانتا تھا۔ روایت تھوڑی طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نو وارد شخص آپ ﷺ کے بالکل قریب نہایت بے تکلفانہ انداز میں گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے اور اسلام، ایمان، احسان اور قیامت و علامات قیامت سے متعلق آپ سے کچھ سوالات کئے، آپ ﷺ نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے، اس کے بعد وہ نو وارد شخص چلے گئے تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: أَدْرِي مَنْ السَّائِلُ؟ جانتے ہو سائل کون تھے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ ورسولہ اعلمہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انه جبریل انا کم یعلمکم دینکم یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے تشریف لائے تھے۔ (بخاری، مسلم) متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ جبریلؑ اکثر و بیشتر حضرت وحیہ کلّیہؑ کی شکل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

نزول وحی کی بہت ساری کیفیات احادیث میں وارد ہوئی ہیں حتیٰ کہ بعض علماء نے چھیالیس تک شمار کرائی ہیں، لیکن ان میں مشہور چھ ہیں:

(۱) صلصلة الجرس: (گھنٹی کی آواز) جس کا ذکر آچکا۔

(۲) رؤیائے صادقہ: (سچے خواب) انبیاء کرام علیہم السلام کو خواب میں بتائی جانے والی چیز بھی وحی کا حکم رکھتی ہے، انبیاء کے خواب میں عام انسانوں کے خوابوں کی طرح شیطان کا دخل بالکل نہیں ہوتا۔

(۳) القاء فی القلب: (خدا کی طرف سے بغیر کسی سبب کے دل میں کسی بات کا ڈال دینا، یا دوسرے الفاظ میں نبی کا کسی معاملہ کے متعلق شرح صدر ہو جانا) یہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں ہمیشہ صواب و درست ہوتا ہے اس لئے یہ بھی وحی کے اقسام میں ہے، القاء فی القلب کی یہ شکل کبھی غیر انبیاء کو بھی پیش آتی ہے جسے الہام یا کشف سے تعبیر کرتے ہیں؛ لیکن نبی اور ولی کے القاء میں فرق اتنا ہے کہ نبی کا القاء ہمیشہ درست ہوتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی غلطی یا خطا کا امکان نہیں ہوتا جبکہ ولی کا القاء ظنی ہوتا ہوتا ہے اور اس میں غلطی و خطا کا احتمال رہتا ہے۔

(۴) فرشتہ کا اپنی اصلی شکل میں آکر وحی کرنا: ایسا صرف دوسرے ہوا ہے کہ جبریل اپنی اصلی شکل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں، ایک تو اس وقت جب سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں دوسرے معراج کے سفر میں سدرة المنتہی کے پاس، ان دونوں واقعات کا قرآن میں سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں ذکر ہے۔

(۵) اللہ رب العزت کا نبی سے من وراء الحجاب کلام کرنا: یعنی کلام تو سنائی دے؛ لیکن صاحب کلام نظر نہ آئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طور پہاڑ پر کلام کیا، اور بہت سے علماء کے نزدیک معراج کی رات آپ ﷺ سے اللہ کی گفتگو اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

(۶) تمثیل ملک: فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا، اس کا بیان ہو چکا۔

اس روایت میں جناب رسول اللہ ﷺ نے صرف دو کیفیت ذکر فرمائیں؛ کیونکہ اکثر و بیشتر وحی کے نزول کی یہی صورتیں ہوا کرتی تھیں، ان میں پہلی شکل شدید تر تھی اور دوسری آسان تر تھی، پہلی کی شدت کا بیان تو اسی روایت میں آگیا اور دوسری کے آسان ہونے کا بیان حضرت حارثؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے: عن الحارث بن هشام قال: سألت رسول الله ﷺ: كيف يأتيك الوحي؟ قال: يأتييني صلصلة كصلصلة الجرس ويأتييني أحياناً في صورة رجل يكلمني كلاماً وهو اهون علي

الخ (طبرانی کبیر ج ۳ ص ۲۹۳) ترجمہ: حضرت حارثؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسی پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے ہوتی ہے، اور کبھی فرشتہ صورت انسانی میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے اور وحی کی یہ شکل (فرشتے کا صورت انسانی میں آکر کلام کرنا) مجھ پر بہت آسان ہوتی ہے۔ روایت کے آخر میں ام المؤمنین صدیقہؓ نے وحی کی شدت اور سختی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے خود دیکھا ہے سخت سردی کے موسم میں جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینے میں شرابور ہوتی تھی۔

وحی کی شدت اور نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی کیفیت کا بیان اور بھی کئی صحابہ نے کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ: میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا اور آپ کی ران مبارک میری ران پر رکھی ہوئی تھی اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا، آپ کی ران مبارک اتنی بھاری ہو گئی کہ مجھے خوف ہوا کہیں وزن کی وجہ سے میری ران نہ پھٹ پڑے حالانکہ اس وقت صرف ایک لفظ غیر اولی الضرر کی وحی نازل ہوئی تھی (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ان النبی ﷺ کان اذا وحی الیہ وهو علی ناقته وضعت جرائنہا فلم تستطع ان تتحرك (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۸ وقال صحیح الاسناد ووافقه الذہبی) جب نبی ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا اور آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوتے تو اونٹنی زمین پر بیٹھ کر اپنی گردن ڈال دیتی اور بالکل بے حس و حرکت ہو جاتی۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: کنت اکتب الوحی لرسول اللہ ﷺ وکان اذا نزل علیہ اخذتہ برحاء شدیدۃ وعرق عرقاً شدیداً مثل الجہان الخ (طبرانی کبیر ج ۵ ص ۱۴۲) میں رسول اللہ ﷺ کیلئے وحی لکھا کرتا تھا، جب آپ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کو شدید بخار آ جاتا اور شدید پسینے میں شرابور ہو جاتے اور وہ پسینہ آپ کے بدن مبارک سے ایسے ٹپکتا گویا موتی ٹپک رہے ہیں۔

(جاری)

علمائے دیوبند کی خدمات

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نَوَّارُ اللّٰهِ مَرَقَدَا نے)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جماعت دیوبندی نے جس قدر غیر مقلدوں کا سر توڑا ہے بڑے بڑے خفیت کے دعوے دار بدعتیوں سے کچھ بھی نہ ہوسکا، بس ان کو تو ایک چیز آتی ہے اسی میں کمال ہے کہ اٹھیا دھڑ سے کفر کا فتویٰ دیدیا۔

(ملفوظات حکیم الامت ۸/ ۲۵۸)

ماہ محرم کی حقیقت

مولانا عبدالحی فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ البدیع کوری لکھنؤ

اسلامی سال کا آغاز ماہ محرم الحرام سے ہوتا ہے، اور اس مہینے کی فضیلت و بزرگی اسلام میں مسلم ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: افضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم۔ (مسلم شریف) ترجمہ: اللہ کے مہینے رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہ محرم کے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ رمضان کے علاوہ کس مہینے کے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا ماہ محرم کے۔ یوم عاشورہ کے روزے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا: من صام عاشوراء غفر له سنة۔ یعنی جو شخص یوم عاشورہ کا روزہ رکھے اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے ان سے اس روزہ کا سبب دریافت فرمایا، تو انہوں نے بتایا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات ملی اور فرعون غرق ہوا جس کے شکر یہ کے طور پر اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا، اس لئے ان کی پیروی میں ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا، حضرت موسیٰ سے سب سے زیادہ ہم تعلق ہے، اور ہم ان کے سب سے بڑے حقدار ہیں، پھر آپ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا؛ بلکہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے تو حضور علیہ السلام اس روزہ کی بڑی تاکید فرماتے تھے، اور خود آپ نے کبھی بھی اس روزہ کو نہیں چھوڑا، اپنی عمر شریف کے آخر سال میں جب حضور علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس روزہ میں حقیقتاً مسلمانوں کا یہود کے ساتھ تتبع ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو اس ایک دن کے ساتھ ایک دن کا اور روزہ رکھوں گا، مگر اسی سال حضور کی وفات ہو گئی۔ اسی لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسلمان دو روزہ رکھیں۔ یا ۱۰/۹ محرم کو یا ۱۰/۱۱ محرم کو۔ بہر حال ۱۰ محرم الحرام سے پہلے یا اس کے بعد ایک روزہ جوڑ لیں۔ تاکہ حضور کی منشا کے مطابق یہود سے مشابہت ختم ہو جائے۔

ماہ محرم کی اہمیت اسلام سے پہلے:

محرم کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کی اہمیت اسلام کے ظہور سے پہلے ہی سے موجود ہے۔ چنانچہ اسی مہینے میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جدی پہاڑ پر ٹھہری، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بچپڑے ہوئے بیٹے یوسف علیہ السلام سے چالیس برس کے بعد اسی مہینے میں ملے، حضرت داؤد علیہ السلام کی اسی مہینے میں مغفرت ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی مہینے میں اپنا چھٹا ہوا ملک واپس ملا، حضرت ایوب علیہ السلام کو اسی مہینے میں مصیبتوں اور آزمائشوں سے چھٹکارا ملا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اسی مہینے میں مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی۔ حضرت موسیٰ علیہ

السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو اسی مہینے میں فرعون کے غرق دریا ہونے کے بعد اس کے ظلم سے نجات ملی۔
 یہی وجہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب اس مہینے کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے،
 چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ۱۰ محرم الحرام (یوم عاشورہ) کو کفار مکہ غلاف کعبہ بدلا کرتے تھے۔

شہادت حسینؑ اور ماہ محرم

اسی ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو نواسہ رسولؐ شہید مظلوم سیدنا حسینؑ کی شہادت ہائیکہ کا واقعہ بھی پیش آیا، گو کہ پوری اسلامی تاریخ ہمارے شہداء کے خون سے لالہ زار ہے اور صرف اسلام کی پہلی صدی کی مسلمان شہداء کی فہرست تیار کی جائے تو ایک دفتر درکار ہے، مگر ان شہداء میں بھی بہر حال فرق مراتب تو ہے ہی۔ مثلاً اسلام کی پوری تاریخ میں جتنی مظلوم شہادت خلیفہ سوم، داماد رسول سیدنا عثمان غنیؓ کی ہوئی، دوسری کوئی شہادت نہیں ہوئی۔ یہ حادثہ فاجعہ ۱۸ رزی الحجہ کو پیش آیا۔

اسی طرح امیر المومنین خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اسلام کو جتنا عظیم نقصان پہنچا، اس کی نظیر پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی؛ کیوں کہ ان کی وفات کے بعد اسلامی ترقیات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔
 فاروق اعظمؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ بھی اسی ماہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو پیش آیا۔

اسی طرح مسلمان عم رسول سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں، جو سنہ ۳ ہجری میں غزوہٴ احد میں شہید ہوئے، اور زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سید الشہداء کے خطاب سے نوازا، اور جن کی یاد کو حضور علیہ السلام آخر دم تک فراموش نہ کر سکے۔

اسی طرح سیدنا حسینؑ بن علیؑ کی شہادت کو بھی مسلمان بھلا نہیں سکتے، ان کی شہادت مسلمانوں کے لئے دو اعتبار سے خصوصی توجہ اور اہمیت کی حامل ہے، ایک اپنی مظلومیت کے اعتبار سے اور دوسرے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کی قرابت کی وجہ سے۔

مگر بایں ہمہ ماہ محرم کی تمام تراہمیت کا رشتہ سیدنا حسینؑ کی شہادت عظمیٰ سے جوڑنا اور یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ ماہ محرم کو جو کچھ اہمیت حاصل ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس مہینے میں سیدنا حسینؑ مظلوم کی شہادت ہوئی، سراسر گمراہی اور تاریخی حقائق سے روگردانی ہے۔

جیسا کہ قارئین نے مندرجہ بالا حقائق سے سمجھ لیا ہوگا کہ ماہ محرم اور عاشورہ محرم (۱۰ محرم) کی اہمیت حضرت حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کا حادثہ پیش آنے سے بہت پہلے ہی سے اسلام میں موجود تھی اور حضور علیہ السلام نہ صرف اس مہینے کو اہمیت دیتے تھے؛ بلکہ اپنے اصحابؓ کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ ظہور اسلام سے بھی بہت پہلے ماہ محرم کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا، اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ حتیٰ کہ کفار و مشرکین مکہ بھی اس کی عظمت و احترام کے قائل تھے۔

ان حقائق کی موجودگی میں ماہ محرم کا تمام تر تعلق صرف حضرت حسینؑ سے جوڑنا حقائق سے منہ چرانے اور تاریخی گھیل بازی کے سوا اور کیا ہے؟

کیا محرم غم کا مہینہ ہے؟

عجیب حیرت ناک امر ہے کہ وہ مہینہ جو اتنے فضائل کا حامل ہوا اور جس کی اہمیت تاریخ کے ہر دور میں ناقابل انکار رہی ہو، آج اس مہینہ کو غم کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ روافض نے تو سیدنا حسینؑ کی شہادت کے حادثہ کو داستان زلف در زلف اس لیے بنایا تا کہ حسین مظلومؑ کے قتل کا داغ ان کے دامن سے چھوٹ جائے، مگر تعجب تو اہلسنت پر ہوتا ہے کہ وہ شیعی پروپیگنڈہ اس درجہ شکار ہیں کہ ماہ محرم کے فضائل و مناقب فراموش کر کے اسے غم کا مہینہ قرار دینے پر کیوں کر آمادہ ہو جاتے ہیں؟ پہلی بات تو اس سلسلہ میں یہ ہے کہ شہادت بڑے مقام و مرتبہ کی چیز ہے، اور اس کا حاصل ہونا کمال سعادت کی دلیل ہے۔ چنانچہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا اس طرح پرزور انداز میں کی ہے: لوددت ان اقاتل فی سبیل اللہ ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل ثم احییٰ ثم اقتل۔ ترجمہ: میں تمنا کرتا ہوں کہ راہ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں۔

اسی طرح خلفیہ دوم امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ دعا کیا کرتے تھے: اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک واجل موتی ببلد رسولک۔ ترجمہ: اے اللہ تو مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما، اور مجھے اپنے رسول کے شہر (مدینہ) میں موت عطا فرما۔

حق تعالیٰ نے ان کی ان دونوں دعاؤں کو قبول فرمایا، اور عین حالت نماز میں مسجد نبوی کے اندر آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس کے نتیجے میں آپ نے جام شہادت نوش کیا، پھر آپ کی موت بھی مدینۃ الرسول میں واقع ہوئی۔ اور بعد وفات قرب رسول حاصل ہوا۔ اور آج تک رفاقت کا شرف حاصل ہے۔

اسی طرح خلیفہ چہارم سیدنا علی مرتضیٰؑ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا، اور آپ گرے تو زبان مبارک سے فرمایا:

فزت ورب الکعبة۔ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مومن کا مقصود و مطلوب شہادت فی سبیل اللہ ہے، تو جب شہادت اتنی महتم بالشان چیز ہے تو اس پر آہ و بکا اور گریہ و زاری اور نالہ و شیون کیسے زیب دے سکتا ہے؟

سیدنا حسینؑ کی شہادت اپنی مظلومیت کے اعتبار سے کتنی ہی اہم سہی، مگر اس کی اجازت تو مذہب اسلام سے مل ہی نہیں سکتی کہ جس مہینے میں ان کی شہادت واقع ہوئی اسے ماہ غم کا عنوان دے کر اس میں شادی بیاہ اور دوسری تقریبات کو قطعاً اپنے اوپر حرام کر لیا جائے۔

اور اگر محض شہادت ہی کی وجہ سے کسی مہینے کو غم کا مہینہ قرار دیا جاسکتا ہے تو ماہ شوال میں کیسے خوشیاں منائی جاتی ہیں اور کیوں شادی بیاہ کی تقریبات منعقد ہوتی ہیں جب کہ اسی مہینے میں حضور علیہ السلام کے جاں نثار اور چہیتے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ نے جام شہادت نوش کیا۔ حضور علیہ السلام اس دل دوز منتظر کو دیکھ کر بے چین ہوا ٹھٹھے، اور اعلان فرما دیا: عجمی سید الشہداء میرے چچا شہیدوں کے سردار ہیں۔

یہی نہیں؛ بلکہ حضور علیہ السلام، چچا کی شہادت اور ان کی نعش مبارک کی بے حرمتی کے صدمہ کو تمام عمر نہ بھلا سکے، اور وحشی قاتل حضرت حمزہؓ کو اسلام قبول کر لینے کے بعد یہ تاکید فرمادی تھی کہ ”وحشی! تم میرے سامنے نہ آیا

کرو، کیوں کہ تمہیں دیکھ کر مرحوم چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔“ وہ شہادت جس سے حضور علیہ السلام اس درجہ متاثر ہوئے ہوں کیا مسلمانوں کی توجہ کی مستحق نہیں ہے، اور کیا حضرت حمزہؓ حضور علیہ السلام کے چہیتے چچا نہیں تھے؟ اسی طرح اگر شہادت ہی کی وجہ سے کسی مہینہ کو غم کا مہینہ قرار دیا جاسکتا ہے تو اس کا مستحق سب سے زیادہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے جس کی ۱۸ تاریخ کو ذی النورین سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت کا واقعہ ہانکے پیش آیا، جن کی شہادت بلاشبہ تاریخ اسلامی کی سب سے زیادہ مظلوم شہادت تھی۔ اور اقتدار و سلطنت ہونے کے باوجود سیدنا عثمان غنیؓ نے جس عظیم المثال صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا ہے اس کی پوری تاریخ میں دوسری نظیر نہیں مل سکتی۔ کیوں کہ سیدنا حسینؓ نے بحالت مجبوری ہی سہی، مگر حملہ ہو جانے کے بعد تلوار تو نکال لی اور دشمن سے مقابلہ بھی کر لیا۔ لیکن سیدنا عثمان غنیؓ نے آخر دم تک اس کو گوارہ نہ کیا کہ ان کی وجہ سے مدینہ الرسول کی حرمت پامال ہو، اور کسی کلمہ گو کی نکیر ٹوٹے، جب کہ انہیں پوری طرح طاقت و اقتدار حاصل تھا، اور محض ایک اشارے پر باغیوں کی معمولی سی ٹولی کا قصہ تمام ہو جاتا۔؟

جہاں تک قرابت نبوی کا سوال ہے تو اگر سیدنا حسینؓ حضور علیہ السلام کے نواسے اور آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہراؓ کے جگر گوشے تھے تو سیدنا عثمان غنیؓ بھی حضورؐ کے داماد تھے، اور یکے بعد دیگرے حضورؐ کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ ان کے عقد میں آئیں، اور حضورؐ کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ دوسری صاحبزادی کی وفات کے بعد فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں ان کا نکاح بھی عثمانؓ سے کر دیتا۔

تو جب مسلمان شوال کو غم کا مہینہ نہیں قرار دیتے جب کہ اس میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت واقع ہوئی، ذوالحجہ کو غم کا مہینہ نہیں قرار دیتے جب کہ اس میں ذی النورین سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی۔ رمضان کو غم کا مہینہ نہیں قرار دیتے جب کہ اس میں سیدنا حسینؓ کے والد محترم داماد رسول سیدنا علیؓ کی شہادت واقع ہوئی، تو پھر محرم کو غم کا مہینہ کیوں کر قرار دے سکتے ہیں؟

یہ تو محض چند مثالیں پیش کی گئیں۔ ورنہ اسلامی سال کا کون سا مہینہ ہے جس میں جاں نثاران اسلام نے جام شہادت نہ نوش کیا ہو تو اگر اسے ہی غم کی بنیاد قرار دیا جائے تو مسلمان تصویر غم بن کر رہ جائے اور اس کی زندگی میں مسرت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔

محرم اور تعزیه:

تعزیه خالص شیعہ ایجاد ہے جسے سیدنا حسینؓ کی قبر مبارک کی شبیہ قرار دیا جاتا ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ تاریخی طور پر سیدنا حسینؓ کی قبر کی صحیح تحقیق بھی نہیں ہو پاتی کہ وہ کس مقام پر ہے اور کس انداز کی بنی ہے، مگر اس کی شبیہ بن کر تیار ہو گئی، پھر اس میں بھی یہ قید نہیں کہ تمام تعزیه ایک ہی وضع کے ہوں، بلکہ حسب حیثیت جو جتنا قیمتی چاہے تعزیه بنوالے، اور اسے شبیہ روضہ امام حسینؓ کے نام سے موسوم کر دے۔

تعزیه کا وجود نوں صدی ہجری سے پہلے کہیں نہیں ملتا، جب کہ سیدنا حسینؓ کی شہادت سنہ ۶۱ ہجری میں واقع ہوئی، نوں صدی ہجری کے آخر میں شیعہ بادشاہ امیر تیمور لنگ نے سب سے پہلے تعزیه کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ہمایوں بادشاہ کے حکم سے بیرم خاں کر بلا سے پتھر کا تعزیه بنوا کر ہندوستان لایا، اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا اور آج شیعہ اسے اپنا مذہبی شعار بنا کر پیش کرتے ہیں۔

جہاں تک شیعوں کا معاملہ ہے تو ہم کو ان سے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہنا ہے، مگر ہاں ان برادران اہلسنت سے جو آج تک نادانی اور جہالت کی وجہ سے تعزیہ داری کرتے ہیں، یا تعزیہ کو قابل احترام چیز سمجھتے ہیں۔ یہ ضرور کہنا ہے کہ اگر تعزیہ کی کچھ اصل ہوتی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعزیہ صحابہ کرامؓ یا بعد کے لوگ بنواتے، یا اسی طرح صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ، یا دیگر شہدائے اسلام کے تعزیے بنتے، اور اگر کسی خاص وجہ سے صرف سیدنا حسینؓ ہی کا تعزیہ بننا تھا تو ان کی شہادت اور تیمور لنگ کے درمیان گزرے ہوئے تقریباً آٹھ سو سال کے مسلمان بناتے، کیا تیمور لنگ سے پہلے کسی بھی مسلمان کو سیدنا حسینؓ سے محبت نہ تھی کہ ان کی یاد کو تعزیہ کے نام سے زندہ رکھنے کی کوشش کرتا؟ اس موقع پر ایک انگریز افسر کا وہ واقعہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک مرتبہ اس نے ایک تعزیہ کے ساتھ کچھ لوگوں کو روتے دھوتے جلوس کی شکل میں جاتے دیکھ کر اپنے ساتھ کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ پیغمبر اسلام کے نواسے آج سے تیرہ سو سال پہلے کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ یہ لوگ انہیں کی یاد میں رو رہے ہیں اور یہ ان کی قبر کی نقل ہے۔ یہ سن کر اس انگریز افسر نے بڑے دکھ بھرے لہجہ میں کہا ”افسوس کہ ان لوگوں کو کافی دیر میں خبر مل سکی۔“

حقیقت یہ ہے کہ یہ امیر تیمور لنگ کی ایک سازش تھی جس کے ذریعہ اس نے مسلمانوں کو ایک غلط اور خود ساختہ بدعت پر گامزن کرنے کی کوشش کی اور اپنے اقتدار و سلطنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے ترویج دیا جس کا اسلام کی پاک و مقدس تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جاہلانہ رسوم سے نجات دے کر اپنے دین حنیف پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کردار یزید اور شہید کربلا

امام المناظرین مولانا سید طاہر حسین گیاوی مدظلہ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی کتاب ”شہید کربلا اور یزید“ پر محدث جلیل ابوالہاشم حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ نور اللہ مرقدہ نے ایک تبصرہ لکھا تھا جسے خود مولانا نے اپنی زندگی میں تو شائع نہیں کروایا (شاید مولانا خود اس سے مطمئن نہ ہوں) لیکن بعد میں مولانا کے وارثین نے اسے چھپوادیا، اس تبصرہ میں فسق یزید کے متفق علیہ موقف سے اختلاف کرنے کے ساتھ ساتھ یزید کا زوردار انداز میں دفاع بھی کیا گیا ہے، مولانا اعظمیؒ کا یہ موقف اکابرین دیوبند کے متفقہ مسلک و شرب سے متصادم ہے، اور اس کے شائع ہونے سے مسلک دیوبند کے متعلق غلط فہمیاں پھیلنے کا قوی اندیشہ ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ جماعت دیوبند کا کوئی معتد و مستند عالم اس تبصرہ پر نظر کرے اور دلائل و براہین کے ساتھ اس کی تردید کرے۔ چونکہ مولانا اعظمیؒ کی شخصیت نہایت اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے ان کے تبصرہ کی تردید کیلئے بھی کوئی بلند و بالا شخصیت ہی سامنے آئے تو مناسب ہوگا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سعادت مناظر اسلام حضرت مولانا سید طاہر حسین گیاوی مدظلہ کے حصے میں رکھی تھی، اس لئے مولانا گیاوی مدظلہ نے اپنے ضعف پیرانہ سالی اور شدید علالت و نقاہت کے باوجود اس خدمت کو اپنے سر لیا اور نہایت دلدل و مفصل انداز میں مولانا اعظمیؒ کے تبصرہ کا رد کیا ہے، جسے ہم قسط وار رسالہ تحفظ سنت میں شائع کریں گے ان شاء اللہ۔ نوٹ:- مولانا اعظمیؒ ایک جلیل القدر اور بھر عالم دین تھے، ان کی عظمت و محبت ہمارے قلوب میں جلوہ گر ہے لیکن چونکہ اس مسئلے میں ان سے شدید چوک ہوئی اس لئے عظمت و محبت کے اعتراف کے باوجود مولانا کی غلطی پر تنبیہ ہمارا مسلکی فریضہ ہے۔ ادارہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ رحمۃ اللہ علیہ کوئی غیر معروف عالم نہیں ہیں، وہ ایک معروف عالم اور جلیل القدر محدث کی حیثیت سے علمی حلقوں میں متعارف ہیں، مولانا اعظمیؒ نے سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب ”شہید کربلا و یزید“ پر ایک تبصرہ لکھا ہے جو ان کے علم و فضل سے بہت فروتر ہے اور اہل سنت والجماعت کے موقف سے بھی منحرف ہے، حیرت ہے کہ مولانا مرحوم نے کیسے یہ تبصرہ لکھا؟ اگر انہوں نے لکھ ہی دیا تھا تو ان کے وارثین نے اور مکتبہ ابوالہاشم رقارۃ العلوم منو نے اس کو زور و طبع سے آراستہ کیونکر کر دیا، جبکہ ان کا یہ تبصرہ تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہے، ولی اللہی جماعت اس تبصرہ کو رد کرتی ہے، اور اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں، جیسا کہ (زیر نظر مضمون) ”کردار یزید اور شہید کربلا“ کو پڑھنے کے بعد قارئین کرام کو معلوم ہو جائیگا، اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس تبصرہ کے خلاف یہ سطور لکھ دی گئی ہیں، یہ (فسق یزید کی بحث) صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں ہے؛ بلکہ حدیث کی اور مستند روایتیں اس واقعہ کو ثابت کرتی ہیں اور یہ واقعہ فروعی عقیدے کو چھوڑتا ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی علیہ الرحمہ سرے سے یزید کے فاسق ہونے کا انکار کرتے ہیں، اگر انہوں نے صرف قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر تنقید کی ہوتی تو یہ کوئی خاص بات نہ ہوتی؛ کیونکہ کسی بھی تصنیف کا حرف بحرف صادق ہونا ضروری نہیں ہے، اس میں کہیں نہ کہیں کوئی خامی یا کمزوری یا خلاف واقعہ باتیں آئی جاتی ہیں، جس کا رد بھی ایک ضروری امر ہے۔

ہماری تحریر کے اندر زیادہ حصے پر یزیدی کردار اور اس کے فاسق ہونے کے کارنامے بدلائل ذکر کئے گئے ہیں، حضرت حسینؑ کی شہادت کی تفصیل اور اس کے متعلقات پر بحث نہیں کی گئی ہے، ایک تو اس لئے کہ یزید کا فسق صرف شہادت حسینؑ پر منحصر نہیں ہے؛ بلکہ اس کے فسق کیلئے اور بھی دلائل و واقعات موجود ہیں، دوسرے اس لئے بھی کہ شہادت حسینؑ کا واقعہ قاری محمد طیب صاحبؒ کی کتاب ”شہید کربلا اور یزید“ کا موضوع ہے اور اس میں تفصیل سے آچکا ہے، اس لئے میں نے اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔

میری تحریر پڑھنے والوں کو درج ذیل باتوں پر نظر رکھنا چاہئے:

تحریر میں جگہ جگہ تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ کے حوالے دیئے گئے ہیں، اس سلسلے میں قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں:

۱۔ حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب التہذیب کا وہ نسخہ ہمارے سامنے ہے جو دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان سے چھپا ہوا ہے جو صرف ۶ جلدوں میں ہے بارہ جلدوں والا نسخہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ کا وہ نسخہ ہمارے سامنے ہے جو بیس جلدوں میں دار ابن کثیر بیروت سے چھپا ہے اور محشی ہے، بارہ جلدوں والا جو پہلے چھپا تھا وہ نسخہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

۳۔ بعض نایاب یا کمیاب کتابوں کے حوالے انٹرنیٹ سے حاصل کر کے دیئے گئے ہیں بالخصوص امام غزالی کا رد وغیرہ۔

ہم نے بحث کا آغاز بخاری شریف کی ایک روایت سے کیا ہے، حالانکہ واقعہ کی ابتداء قاعدے کے موافق اس سے نہیں ہونی چاہئے تھی مگر چونکہ وہ روایت اس بحث میں نہایت اہمیت کی حامل ہے اس لئے آغاز اسی سے کر دیا ہے۔ قارئین کرام سے اس کے لئے معذرت چاہوں گا۔

عن نافع قال: لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشبه وولده فقال:

اني سمعت النبي ﷺ يقول: ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة وانا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله واني لا اعلم غدرا اعظم من ان يبايع رجل على بيع الله ورسوله ثم ينصب له القتال واني لا اعلم احدا منكم خلعه ولا تابع في هذا الامر الا كانت الفیصل بيني وبينه (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۲ باب اذا قال عند قوم شيئا ثم خرج فقال بخلافه) ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خاص لوگوں اور اپنے لڑکوں کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر غدار کیلئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا اور ہم نے اس شخص (یزید بن معاویہ) کے لئے اللہ و رسول کے نام پر بیعت کی ہے، اور میں اس سے بڑی غداری نہیں جانتا کہ کسی شخص کے ہاتھ پر اللہ و رسول کے نام بیعت کی جائے اور پھر اس کے خلاف جنگ و قتال بھی

کیا جائے، اس لئے میں تم سب میں سے کسی شخص کے بارے میں نہیں جاننا چاہتا کہ وہ اس شخص کی بیعت توڑے اور نہ یہ کہ اس معاملے میں کسی اور کی بیعت کرے ورنہ یہ بات اس کے اور میرے درمیان جدائی کا باعث ہوگی۔
حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وكان السبب فيه ما ذكره الطبري مسنداً أن يزيد بن معاوية كان امر على المدينة ابن عمه عثمان بن محمد بن أبي سفيان فاوفد الي يزيد جماعة من اهل المدينة منهم عبد الله بن غسيل الملائكة حنظلة ابن أبي عامر وعبد الله بن أبي عمرو بن حفص المخزومي في آخرين فاكرمهم واجازهم فرجعوا فاظهروا عليه ونسبوه الى شرب الخمر وغير ذلك (فتح الباري ج ۱۳ ص ۸۷ مطبوعة المكتبة الاشرفية ديوبند) ترجمہ: اس بیعت توڑنے کا سبب وہ ہے جو علامہ ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ يزيد بن معاویہ نے اپنے چچیرے بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا امیر مقرر کیا تھا اور اس نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو بطور وفد یزید کے پاس بھیجا جس میں عبد اللہ بن حنظلہ اور عبد اللہ بن عمرو بن حفص مخزومی اور دوسرے لوگ بھی تھے، تو یزید نے ان کا اعزاز و اکرام کیا اور انعامات سے نوازا لیکن جب یہ لوگ لوٹ کر واپس مدینہ پہنچے تو انہوں نے یزید کے عیوب بیان کئے اور اس کو شرابی بتایا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خرابیاں بیان کی۔

اس جگہ دو باتیں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے:

(۱) علامہ محمد بن جریر طبری نے اس روایت کی جو سند بیان کی ہے اس میں ایک راوی ابوحنف ہے جس کا اصل نام لوط بن یحییٰ ہے۔ اور یہ غیر معتبر و متہم راوی ہے، اس کے بارے میں امام ابن عدی فرماتے ہیں، شیعی مہترقی یہ جلا بھنا شیعہ ہے، لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجرؒ نے اس سند پر کوئی جرح نہیں کی؛ بلکہ خاموشی سے گزر گئے جو روایت کے قبول کی علامت ہے، اگرچہ اس طرح کے راوی پر خاموشی اختیار کرنا ابن حجرؒ کے شایان شان نہیں؛ لیکن یہاں اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ اس سند میں ایک غلط اور غیر ثقہ راوی ہے؛ لیکن جو بات اس غیر معتبر و شیعہ راوی نے بیان کی ہے یہ بات دوسرے معتبر و ثقہ راوی بھی بیان کرتے ہیں، اس لئے روایت معتبر ہوگی، پھر یہ راوی ۷۰۰ھ سے پہلے انتقال کر گیا تھا اور ۲ صدی ہجری سے پہلے جو شیعہ گزرے ہیں وہ رافضی نہیں تھے، محدثین نے دوسری صدی سے پہلے والے شیعہ کی روایات کو قبول فرمایا ہے، ابان بن تغلب کو فی نام کے ایک راوی جن سے مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت لی ہے اور کئی محدثین نے انہیں غالی شیعہ لکھا ہے ان کے متعلق خود علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وهو من اهل الصدق في الروايات وان كان مذهبه مذهب الشيعة وهو في الرواية صالح لا بأس به، قلت هذا قول منصف، فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل على علي عثمان وان علياً كان مصيباً في حروبه وان مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما، وربما اعتقد بعضهم ان علياً افضل الخلق بعد رسول الله ﷺ، واذا كان معتقد ذلك ورعاً ديناً صادقاً مجتهداً فلا تدر وایتہ بهذا لاسيما ان كان غير داعية، واما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض، فلا تقبل رواية الرافضی ولا كرامة (تهذيب

التہذیب ج ۱ ص ۶۳ ترجمہ ابان بن تغلب (الکوفی) ابان بن تغلب جس کی وفات ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ میں ہوئی ہے اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے کہ اس کی روایت قبول کی جائے گی تو ابونخوف لوط بن یحییٰ جس کی وفات ۶۱۰ھ سے بھی کچھ قبل ہوئی ہے اس کی روایت کیوں قبول نہ کی جائیگی حالانکہ وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے۔

شیعہ اور رافضی میں فرق ہے، متقدمین کے عرف میں شیعہ اس شخص کو کہا جاتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے اور جنگوں میں حضرت علیؑ کو مصیب اور ان کے مخالفین کو خطا وار سمجھے، حالانکہ وہ حضرات شیخین یعنی صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی تقدیمی فضیلت کا قائل ہوتا تھا، اور کبھی ایسے شخص کو بھی شیعہ میں شمار کیا جاتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علیؑ کو افضل الخلائق سمجھتا ہو؛ لیکن ایسا عقیدہ رکھنے کے بعد بھی اگر وہ صادق القول اور دیندار و پرہیزگار ہوتا تو صرف اس اعتقاد کی بنیاد پر اس کی روایت رد نہیں کی جاتی تھی بالخصوص جبکہ وہ اپنے عقیدہ کی طرف دعوت بھی نہ دیتا ہو؛ لیکن متاخرین کے عرف میں خالص رافضی پر شیعہ کا اطلاق ہونے لگا اس لئے اب رضیٰ بمعنی تشیع ہو گیا، اور اس رضیٰ کی بالکل گنجائش نہیں؛ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے یہ روایت صرف اس بنیاد پر قبول نہیں کی بلکہ اس کے اور بھی طرق اور مؤیدات ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

دوسری بات اس جگہ یہ بھی دھیان میں رہنی چاہئے کہ یزید بن معاویہ جب رجب ۶۰ھ میں خلیفہ ہوا اس وقت اس کی عمر چونتیس ۳۴ سال تھی اور اس سال اس نے اپنے والد کے مقرر کردہ امراء و عمال میں کوئی تبدیلی نہیں کی؛ بلکہ انہیں باقی رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: فاقر نواب ابیہ علی الاقالیم ولم یعزل احدا منهم وهذا من ذکاوتہ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۲) البتہ ایک سال بعد اس نے تبدیلیاں شروع کیں اور ۶۱ھ و ۶۲ھ میں بختان و خراسان سے عباد و عبد الرحمن دونوں بھائیوں کو معزول کر کے ان کی جگہ مسلم بن زیاد کو دونوں جگہوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: ففيہا ولی یزید بن معاویہ مسلم بن زیاد سجستان و خراسان حین وفد علیہ ولہ من العمر اربع وعشرون سنۃ وعزل عنہا اخویہ عباد و عبد الرحمن (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۹۶) سن ۶۱ھ میں یزید نے بختان اور خراسان سے عباد اور عبد الرحمن دونوں بھائیوں کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ مسلم بن زیاد کو والی بنایا جبکہ مسلم بن زیاد کی عمر اس وقت صرف چوبیس ۲۴ سال تھی۔ یہی بات علامہ ابن اثیرؒ نے لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو: الکامل لابن اثیر ج ۱ ص ۶۳۴)

اس کے بعد پھر ۶۲ھ ہجری میں یزید نے مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو معزول کر کے اس کی جگہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا والی مقرر کر دیا اور واقعہ حرہ کے وقت یہی مدینہ کا والی تھا، یہ نا تجربہ کار اور نوعمر بھی تھا، ابن کثیرؒ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۰۳ پر اور ابن اثیرؒ اپنی تاریخ الکامل ج ۱ ص ۶۳۴ پر لکھتے ہیں: فعزل یزید الولید و ولی عثمان بن محمد بن ابی سفیان و هو فتی غر حدث لم یجرب الامور یعنی ۶۲ھ میں یزید نے مدینہ سے ولید بن عتبہ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عثمان بن محمد کو مدینہ کا والی بنادیا اور وہ بالکل نوعمر جوان بچہ تھا جسے امارت کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے محمد بن جریر طبری کے حوالے سے نقل کی ہے اور یہی بات حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ ابن اثیرؒ لکھ رہے ہیں؛ لیکن محدث جلیل، محقق کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی علیہ الرحمہ نے نہ معلوم کہاں سے اس کے برخلاف لکھ دیا کہ بعض تاریخی بیانات کی بنا پر کسی کو شبہ ہو سکتا ہے

کہ اس نے ولید بن عتبہ کو ولایت مدینہ سے معزول کر دیا تھا؛ لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کرنے کے بعد پھر مدینہ کا والی مقرر کر دیا تھا (دیکھو: ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۵۔ تبصرہ برشہید کربلا و یزید صفحہ ۳۲) مولانا نے یہ نہیں بتایا کہ ۶۲ھ سے پہلے دوبارہ والی بنا دیا تھا یا اس کے بعد، اور میرا دعویٰ ۶۲ھ کے بعد دوبارہ والی نہ بنانے کا ہے۔ مولانا عظمیٰ نے مزید یہ بھی لکھ دیا کہ بہر حال اپنے والد کے کسی والی کو یزید نے بالکلیہ معزول نہیں کیا۔ یہ بات بھی مولانا مرحوم کی بالکل خلاف تحقیق ہے، صرف اتنا ہی لکھا ہوتا تو بھی غلط تھا؛ لیکن مزید ستم یہ فرما دیا کہ قاری محمد طیب صاحب کو الٹا یہ الزام بھی دے ڈالا کہ اگر مہتمم صاحب کے علم میں اس کے خلاف ایک بھی تاریخی شہادت موجود ہو تو ہم کو اس بیان سے رجوع کرنے میں مطلق تامل نہیں ہوگا؛ لیکن محض تخصص اور حذف سے بلا ثبوت و بے حوالہ مہتمم صاحب یا ان سے بھی بڑے کسی عالم کا یہ کہہ دینا کہ یزید عموماً شیوخ کو ہٹا کر صبیان کو نامزد کرتا تھا انصاف کی رو سے قابل قبول نہیں، مہتمم صاحب کو سوچنا چاہئے تھا کہ یزید فاسق سہی مگر مسلمان تھا کافر نہیں تھا، اور کافر بھی ہوتا تو یہ کس طرح جائز تھا کہ بے سرو پا الزامات اس کے سر تھوپے جائیں۔ (تبصرہ برشہید کربلا و یزید ص ۳۳)

سطور بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ ابن کثیر، علامہ طبری، ابن اثیر جزیری نے لکھا ہے کہ یزید نے نا تجربہ کاروں اور کم عمر نوجوانوں کو مدینہ منورہ اور خراسان و سجستان کا والی بنایا تھا اور واقعہ حرہ کے وقت بھی مدینہ کا والی عثمان بن محمد کو بنا رکھا تھا۔ یہ تینوں باتیں ایک سے زیادہ تاریخی حوالوں سے ثابت کر دی گئی ہیں۔ محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن نے ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۵ کے حوالے سے جو غلط بات لکھی ہے افسوس کہ انہوں نے ابن اثیر کی عبارت نقل نہیں فرمائی جس کی وجہ سے یہ لکھنا پڑتا ہے کہ اتنے بڑے عالم، محدث اور محقق کیلئے ایسی غلط بات ان کی شان کے خلاف ہے۔

ولید بن عتبہ کا معزول ہونا تو معلوم اور متفق علیہ ہے، واقعہ حرہ تک مدینہ کا والی عثمان بن محمد تھا۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: سنة ثلاث وستين ذكر وقعة الحرّة، كان اول وقعة الحرّة ما تقدم من خلع يزيد فلما كان هذه السنة اخرج اهل المدينة عثمان بن محمد عامل يزيد وحصروا بني امية بعد بيعتهم عبد الله بن حنظلة (ابن اثیر ج ۱ ص ۶۴ و ج ۲ ص ۱۱۲ قديم) ترجمہ: سن ۶۳ ہجری اور واقعہ حرہ کا تذکرہ، واقعہ حرہ کی شروعات جیسا کہ پہلے گزرا یزید کی بیعت توڑنے سے ہوئی جب یہ سال شروع ہوا تو اہل مدینہ نے یزید کے عامل عثمان بن محمد کو نکال دیا اور بنو امیہ کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے یہ سب کچھ عبد اللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد کیا۔

اس بیان سے صاف طریقہ سے واضح ہے کہ ابن اثیر کے نزدیک اس سال تک مدینہ کا والی عثمان بن محمد تھا، اور ظاہر ہے کہ دوبارہ ولید بن عتبہ کو مدینہ کا عامل بنایا ہوگا تو اس کے بعد ہی بنایا ہوگا؛ کیونکہ ذی الحجہ ۶۳ھ میں واقعہ حرہ پیش آیا ہے اور ربیع الاول ۶۴ھ میں یزید کا انتقال ہو جاتا ہے، واقعہ حرہ اور وفات یزید کے درمیان کل تین مہینے کا وقفہ ہے، ان تین مہینوں کے اندر ولید بن عتبہ کے دوبارہ مدینہ کا والی بنائے جانے کو ابن اثیر کے حوالے سے نقل کرنا سہواً ہی ممکن ہے ورنہ ابن اثیر جلد ۴ اور صفحہ ۴۱۰ کے حوالہ دیکر نقل کرنا صرف اور صرف ایک غلطی نہیں؛ بلکہ ابن اثیر پر تہمت اور علمی دنیا کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ ۶۴ھ کے بیان میں ابن اثیر لکھتے ہیں: وفي هذه السنة توفي يزيد بن معاوية بمواري من ارض الشام لاربع عشرة خلت من شهر ربيع

الاول وهو ابن ثمان وثلاثين سنة في قول بعضهم وقيل تسع وثلاثين وكانت ولايته ثلاث سنين وستة اشهر وقيل توفي في ربيع الاول سنة ثلاث وستين وكان عمره خمسا وثلاثين سنة وكانت خلافته بسنتين وثمانية اشهر، والاول اصح۔ (ابن اثير ج ۱ ص ۶۳۱) ترجمہ: اسی سال ۶۴ھ میں یزید بن معاویہ کی وفات ہوئی حوارین نامی شام کے ایک گاؤں میں ۱۴ / ربیع الاول کو جبکہ وہ بقول بعض اڑتیس سال کا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انتالیس سال کا تھا، اور اس کی حکومت ساڑھے تین سال کی ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی جبکہ اس کی عمر پینتیس سال تھی اور اس کی حکومت دو سال آٹھ ماہ رہی؛ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ پس ابن حجر علیہ الرحمۃ کا یہ بیان کہ مدینہ کا وفد عثمان بن محمد نے بھیجا اور حرہ کا واقعہ بھی اسی کے زمانہ ولایت میں پیش آیا بالکل صحیح ہے اور ابن اثیر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اب آگے یہ بھی پڑھ لیجئے کہ یزید کے شراب پینے کا واقعہ صرف طبری یا صرف ایک سند سے ثابت نہیں؛ بلکہ اس کا ثبوت متعدد سندوں سے ہے، اور یہ واقعہ صرف تاریخی حوالوں سے نہیں؛ بلکہ اس کے ثبوت میں مضبوط اور احکام کو ثابت کرنے والی سندیں اور صحیح روایتیں موجود ہیں جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، فی الوقت گذشتہ سند کے علاوہ ایک مزید سند ملاحظہ فرمائی۔ علامہ ذہبیؒ تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں: قال الواقدي انا ابن ابي ذئب عن صالح بن ابي حسان انا اسماعيل بن ابراهيم المخزومي عن ابيه۔ وحدثنا سعيد بن محمد بن عمرو بن يحيى عن عباد بن تميم كل قد حدثني قالوا لما وثب اهل الحرة واخرجوا بني امية عن المدينة واجمعوا على عبدالله بن حنظلة وبايعهم على الموت قال يا قوم اتقوا الله فوالله ما خرجنا على يزيد حتى حققنا ان ترمي بالحجارة من السماء انه رجل ينجح امهات الاولاد والبنات والاخوات ويشرب الخمر ويدع الصلوة الخ۔ (تاريخ اسلام للذهبي ج ۲ ص ۴۴۳) ترجمہ: واقدي کہتے ہیں مجھ کو ابن ابی ذئب نے خبر دی وہ صالح بن ابی حسان سے روایت کرتے ہیں ان کو اسماعیل بن ابراہیم مخزومی نے خبر دی وہ اپنے والد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں اور مجھ سے سعید بن محمد بن عمرو بن یحییٰ نے بیان کیا، وہ روایت کرتے ہیں عبادہ بن تیمم سے ہر ایک نے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ جب اہل حرہ بغاوت میں کود پڑے اور بنی امیہ کو مدینہ سے باہر کر دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر اجماعی طور پر موت کی بیعت کر لی تو عبداللہ بن حنظلہ نے فرمایا لوگو! بخدا ہم لوگ یزید کے خلاف اس وقت نکلے جبکہ ہمیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب آسمان سے پتھروں کی بارش ہونے والی ہے؛ کیونکہ یہ آدمی (یزید) ام ولد اور ام ولد کی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا ہے اور شراب پیتا ہے اور نمازیں چھوڑتا ہے۔

اس جگہ یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ عبداللہ بن حنظلہ صحابی ہیں اور وہ یزید کے بارے میں شراب خوری و دیگر حرام کاریوں کی خبر دے رہے ہیں اور صحابی جھوٹ یا بغیر تحقیق کی بات نہیں کر سکتا۔

اب اس روایت کی سند دیکھئے! اس کی دو سندیں ہیں، پہلی سند کے روات کی توثیق ملاحظہ فرمائیں!

محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ بن الحارث ابن ابی ذئب ثقة (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۹۵)

صالح بن ابی حسان ثقة (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۵۲۸)

اسماعیل بن ابراہیم مخزومی ثقة (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۱)

ابراہیم بن عبد الرحمن مخزومی؛ بخاری کے راویوں میں سے ہیں اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔
(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۱)

دوسری سند

سعید بن محمد در حقیقت عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ الانطاری المازنی ثقة (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۹۲)

عبادۃ بن تیمم یہ غلط ہے صحیح نام عباد بن تیمم ہے، (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۶۲ و ۶۳ اور تاریخ اسلام ج ۲ ص ۱۶۱) بخاری میں دو جگہ یہ سند موجود ہے، جلد اول صفحہ ۴۱۵، اور جلد دوم صفحہ ۵۹۹، اور دونوں میں عمرو بن یحییٰ عن عباد بن تیمم ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ یہ گفتگو دوسری سند سے متعلق تھی، پہلی سند میں کوئی کلام کی گنجائش نہیں وہ بالکل بے غبار ہے، البتہ محمد بن عمرو واقدی جنہوں نے یہ سند نقل کی اس میں کلام ہے مگر حافظ ذہبی نے انہیں زیادہ سے زیادہ ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: وقد تقرر ان الواقدي ضعيف... ان وزنه عندی انه مع ضعفه يكتب حديثه ويروى لاني لا اتهمه بالوضع وقول من اهدره مجازفة من بعض الوجوه كما ان لا عبرة بتوثيق من وثقه.... اذ قد انعقد الاجماع اليوم انه ليس بحجة فان حديثه في عداد الواهي (سير اعلام النبلاء ج ۶ ص ۵۰) ترجمہ: اور یہ بات طے ہو چکی ہے کہ واقدی ضعیف ہے، میرے نزدیک اس کا وزن یہ ہے کہ ضعف کے باوجود اس کی روایت لکھی جائے گی؛ کیونکہ میں اسے متہم بالوضع نہیں سمجھتا، اور جنہوں نے اس کی بات کو بالکل غلط اور بیکار ٹھہرایا ہے ان کی بات میں انکل پنا اور مجازفت ہے جیسا کہ ان لوگوں کی توثیق کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو اسے ثقہ قرار دے گئے، آج اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ واقدی حجت نہیں اور اس کی روایت ضعیف روایتوں میں شمار ہوگی۔

واقدی کے بارے میں قریب قریب یہی فیصلہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی کیا ہے۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۳۲ (جاری)

عظمتِ دیوبند

ہندوستان کے سر پہ ہے احسانِ مصطفیٰ

بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفانِ مصطفیٰ

اس میں نہیں کلام کہ دیوبند کا وجود

گونجا ہے چار کھونٹ نانو توئی کا نام

(قسط اول)

موضوع و ضعیف احادیث کی نشر و اشاعت میں علماء غیر مقلدین کا

شرمناک کردار

ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

یوں تو علماء غیر مقلدین دن رات صحیح کے ورد کرتے اور دوسروں کو ضعیف احادیث پر عمل کے طعنے دیتے نہیں تھکتے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنے مسلک کی تقویت کیلئے نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ تقریر و تحریر کے ذریعہ جس کثرت کے ساتھ ضعیف و موضوع روایات غیر مقلدین علماء نے عوام میں پھیلائی ہیں دوسری جماعتوں میں اس کی نظیر شاید و باید ہی مل سکے۔

ہم اس تحریر میں سلسلہ وار نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ مختلف عنوانات کے تحت غیر مقلدین کے اس گھناؤنے و شرمناک کردار کے نمونے پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ

مسئلہ وَضْعُ الْيَدَيْنِ عَلَى الصَّدْرِ (سینے پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ)

نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر باندھے جائیں یا نیچے؟ اس مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف ہے، محققین علماء کا ایک گروہ ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کا قائل ہے جبکہ دوسرا گروہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا، دونوں فریق نے اپنے اپنے مذہب پر مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے اور بغیر کسی تشدد یا تعصب کے اپنے فریق کے دلائل کا جواب بھی دیا ہے؛ لیکن چودھویں اور پندرہویں صدی میں غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں نہایت تشدد اور غلو کا مظاہرہ کیا اور اپنے مسلک کی حمایت میں ہر مخالف روایت کو (خواہ وہ روایت صحیح یا حسن ہی کیوں نہ ہو) نہایت بے دردی سے شہید کرنے کی کوشش کی جبکہ خود ایسی کمزور و باطل روایات سے استدلال کیا کہ عہد سابق میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کی پیش کی گئی روایات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) شدید ضعیف، موضوع یا موضوع کے قریب روایات۔

(۲) ضعیف روایات۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسئلہ ہذا میں ان بیچاروں کے پاس ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں؛ اس لئے اگر یہ حضرات صرف ضعیف روایات سے استدلال کرتے تو بھی تسامح کی گنجائش تھی؛ لیکن افسوس بالائے افسوس کہ انہوں نے موضوع روایات بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا، اور فرمان رسول ﷺ من قال علی مالہ اقل فلیتبؤ مقعده من النار (مسلم) کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائے۔

(۱) شدید ضعیف و موضوع روایات

(۱) محمد بن حجر الحضر ہی حدثنا سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ عن امہ عن

وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ ﷺ اذا اوحين نهض الى المسجد فدخل المحراب ثم رفع يديه بالتكبير ثم وضع يمينه على يسراه على صدره (سنن الكبرى للبيهقي ج ۲ ص ۲۰) ترجمہ: حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں خدمت اقدس ﷺ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ محراب میں داخل ہوئے پھر تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ لیا۔ (سنن کبریٰ بیہقی)

قارئین کرام! درج بالا سے روایت سے بڑے بڑے نامور غیر مقلدین علماء نے استدلال کیا ہے اور نہایت دھڑلے کے ساتھ اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، بعض ناخدا ترسوں نے تو اسے صحیح بتانے کی جرات بھی کر ڈالی، جبکہ اس روایت کی اسنادی پوزیشن یہ ہے کہ یہ شدید ضعیف اور موضوع کے قریب ہے، جس کی مختلف وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ: اس روایت کے مرکزی راوی محمد بن حجر الحضرمی سخت ضعیف، منکر الحدیث بلکہ وضع حدیث سے متہم ہے، امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: لہ مناکیر اس کے پاس منکر روایات ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فیہ بعض النظر اس میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے (میزان الاعتدال)۔ امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: لا يجوز الاحتجاج به اس راوی سے دلیل پکڑنا جائز نہیں (الضعفاء والمتروکون لابن الجوزی ج ۲ ص ۴۹) دراصل اس راوی کے پاس اس کے چچا سعید بن عبد الجبار کی طرف منسوب ایک نسخہ تھا جس سے یاد کر کے یہ حدیث سنایا کرتا تھا، اُس نسخے کے بارے میں امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں: یروی عن عمه سعید بن عبد الجبار عن ابیه وائل بن حجر بنسخة منكرة فیہا اشیاء لها اصول من حدیث وائل بن حجر مختصرة جاء بها علی التقصی وافرط فیہا و منها اشیاء موضوعة لیس یشبهه کلام رسول اللہ ﷺ لا يجوز الاحتجاج به (المجروحین لابن حبان ج ۲ ص ۲۸۲) ترجمہ: محمد بن حجر اپنے چچا سعید بن عبد الجبار عن ابیه وائل بن حجر کی سند سے ایک منکر نسخے کی بنیاد پر حدیثیں بیان کرتا ہے، اس نسخے میں حضرت وائل بن حجرؒ کی کچھ روایتیں تو ایسی ہیں کہ جو اصل کے اعتبار سے مختصر ہیں؛ لیکن یہ انہیں خوب بسط و تفصیل اور افراط و تفریط کے ساتھ خوب لمبی چوڑی کر کے بیان کرتا ہے، اور بہت سی باتیں اس نسخے میں موضوع ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان عالی سے بالکل میل نہیں کھاتی، اس لئے اس راوی سے احتجاج جائز نہیں۔

جب اس کا نسخہ منکرات اور موضوعات سے پُر ہے تو پھر اس نسخے کی روایات کیونکر قابل اعتبار و استدلال ہو سکتی ہیں؟ لہذا اس کی روایت ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کی ایک یہی وجہ کافی تھی؛ لیکن افسوس اس کے علاوہ بھی متعدد خرابیاں اس روایت میں موجود ہیں۔

دوسری وجہ: محمد بن حجر کا استاد سعید بن عبد الجبار بھی ضعیف و کمزور راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فیہ نظر (تاریخ کیرج ص ۳۹۵) یہ بھی خیال رہے کہ امام بخاریؒ جرح کے معاملے میں نہایت نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں اس لئے بخاریؒ کی فیہ نظر کی جرح محدثین کے یہاں شدید جرح سمجھی گئی ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں: لیس بالقوی یہ راوی مضبوط نہیں (الضعفاء للنسائی ص ۱۲۵) امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ضعیف یہ راوی ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب)

تیسری وجہ: ام عبد الجبار مجہول راویہ ہے، امام ابن الترمذی فرماتے ہیں: وام عبد الجبار ہی ام یحیٰ لہ اعرف اسمہا ولا حالہا۔ (الجوہر النقی علی البیہقی ج ۲ ص ۳۰)

معلوم ہوا کہ اس روایت میں صرف ایک خرابی نہیں؛ بلکہ یہ روایت خرابیوں کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ زیر علی زنی جیسا تشدد و متعصب غیر مقلد عالم بھی اس روایت پر خاموش نہیں رہ سکا اور صاف لکھ گیا کہ: ”یہ روایت سخت ضعیف ہے محمد بن حجر کی روایتیں منکر ہیں، ام عبد الجبار کی توثیق معلوم نہیں اور سعید بن عبد الجبار بھی مجروح ہے“ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۲۴)

(۲) اخبرنا أبو زکریا بن ابی اسحق، أنبأ الحسن بن یعقوب البخاری، أنبأ یحییٰ بن ابی طالب، أنبأ زید بن الحباب، ثنا روح بن المسیب، قال حدثنی عمرو بن مالک النکری، عن ابی الجوزاء، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قول اللہ عزوجل (فصل لربک وانحر) قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ عند النحر (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱) ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اللہ کے فرمان فصل لربک وانحر کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نحر کے قریب (سینے پر) رکھنا چاہئے۔ (سنن کبریٰ بیہقی)

بیشمار غیر مقلدین نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس روایت سے استدلال کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے:

پہلی وجہ: اس کی سند میں روح بن المسیب راوی متروک اور وضع حدیث کا ملزم ہے، امام ابن حبانؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: کان روح مہن یروی عن الثقات الموضوعات ویقلب الاسانید ویرفع الموقوفات۔۔۔۔۔ (لتحل الروایۃ عنہ ولا کتابۃ حدیثہ) (المجروحین لابن حبان ج ۱ ص ۴۰) ترجمہ: یہ روح وہ آدمی ہے جو ثقہ راویوں کے نام سے موضوع روایات بیان کرتا ہے، اور سندوں کو بدل دیتا ہے اور موقوف کو مرفوع بنا دیتا ہے۔۔۔ اس سے نہ تو روایت نقل کرنا جائز ہے اور نہ اسکی بیان کی ہوئی حدیثیں لکھنا جائز ہے۔

امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: احادیثہ غیر محفوظہ اس کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں (الکامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۸) امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: صالح لیس بالقوی نیک آدمی ہے؛ لیکن حدیث میں مضبوط نہیں (الجرح والتعديل ج ۳ ص ۲۹۶) امام ابن جوزیؒ اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے ضعیف میں شمار کیا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۳۵۲، الضعفاء والمتروکون لابن جوزی ج ۱ ص ۲۸۹)

دوسری وجہ: اس روایت میں روح کے شاگرد عمرو بن مالک النکری بھی اپنے استاد سے کم نہیں۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: عمرو بن مالک النکری منکر الحدیث عن الثقات ویسرق الحدیث عمرو بن مالک نکر ثقفہ راویوں سے منکر حدیثیں بیان کرتا ہے اور دوسروں کی حدیثیں چرا کر بیان کرتا ہے (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۵۸) امام ابویعلیٰ موصلیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن جوزیؒ نے اسے ضعیف میں ذکر کیا ہے (الضعفاء والمتروکون لابن الجوزی ج ۲ ص ۲۲۱) اگرچہ ابن حبان نے اس راوی کو ثقافت میں ذکر کیا ہے؛ لیکن ابن حبان کی اس توثیق کے متعلق مشہور غیر مقلد محدث ناصر الدین البانیؒ فرماتے ہیں: لہ یوثقہ غیر ابن حبان و هو متساهل فی التوثیق حتی انه لیوثق المجهولين عند الائمة النقاد، فالقلب لا یطہن

لما تفرّد بتوثيقه ولا سيما انه قد قال هو نفسه في مالك هذا يعتبر حديثه من غير رواية ابنه يحيى عنه، يخطئ ويغرب، فاذا كان من شأنه ان يخطئ ويأتى بالغرائب فالأحرى به ان لا يحتج بحديثه الا اذا توبع عليه لى نأمن خطاه (معجم الرواة ترجم لهم (اللبانى ج ۳ ص ۳۲۲-۳۲۵) ترجمہ: ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی عمرو بن مالک کی توثیق نہیں کی اور ابن حبان توثیق کے معاملے میں تساہل ہیں، حتیٰ کہ بسا اوقات ایسے راویوں کی بھی توثیق کر بیٹھتے ہیں جو نقد و جرح کے ماہرین اماموں کے نزدیک مجہول سمجھے جاتے ہیں، اس لئے تنہا ابن حبان کی توثیق پر دل مطمئن نہیں ہوتا اور خاص طور سے اس وقت جبکہ ابن حبان خود اسی عمرو بن مالک کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ اس کے بیٹے یحییٰ کی روایت کے علاوہ اس کی حدیثیں اعتبار کے لائق ہیں، یہ خطا کرتا ہے اور عجائبات بیان کرتا ہے۔ تو جب اس کی یہ حالت ہے کہ یہ غلطیاں بھی کرتا ہے اور عجیب و غریب قسم کی روایتیں بھی بیان کرتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ اس کی حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے مگر جب اس کی متابعت ہو جائے، تاکہ اس کے اغلاط سے ہم محفوظ رہ سکیں۔

تیسری وجہ: اس روایت کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن ابی طالب بھی متکلم فیہ ہیں، ان کے بارے میں امام موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں: اشہد انه یکذب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے، ابو عبیدہ آجری فرماتے ہیں: خط ابوداؤد علی حدیثہ امام ابوداؤد نے اس کی حدیثوں پر قلم پھیر دیا تھا۔ (میزان الاعتدال)

(۳) حدثني احمد بن يوسف، ثنا بحر بن نصر، ثنا عافية بن ايوب، عن سعيد بن عبد العزيز عن ابى عثمان النهدي عن سلمان الفارسي انه حدثه قال في رواية طويل فيها قام عيسى عليه السلام فلقى الصوف عنه، ولبس الشعر والتحف، ووضع يمينه على شماله ووضعها على صدره الخ. وقال ابن ابى حاتم: اخبرنا جعفر بن علي فيما كتب الي، ثنا اسماعيل بن ابى اويس، حدثني عبد القدوس بن ابراهيم الصنعاني عن ابراهيم بن عمر عن وهب بن منبه عن ابى عثمان النهدي عن سلمان نحوه (الغيلانيات للحافظ ابى بكر الشافعي ج ۲ ص ۱۳۱، تفسير ابن ابى حاتم ج ۳ ص ۱۲۶، العظمة لابی الشيخ ص ۱۵۳، تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۱۶۳، الدر المنثور ج ۵ ص ۵۹۳، تاريخ ابن عساکر ۴/۳۰۴) ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ (جب بنی اسرائیل نے آسمان سے ماندہ اتارنے کی اجماع فرمائش کی اور حضرت عیسیٰ کی فہمائش کے باوجود بھی باز نہیں آئے تو) حضرت عیسیٰ نے اونی لباس اتار کر رکھ دیا اور جب پہن کر بارگاہ رب ذوالجلال میں (دعا کیلئے) نہایت عاجزی و خشوع کے ساتھ اس طرح کھڑے ہوئے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر رکھے ہوئے تھے الخ۔

بعض غیر مقلدین نے اس روایت کو بھی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی تائید میں پیش کیا ہے، جبکہ اس جیسی روایات سے استدلال وہی کر سکتا ہے جو علم و عقل دونوں سے خالی ہو؛ کیونکہ اولاً تو اس کی دونوں سندیں ضعیف اور مجہول راویوں سے پڑ ہیں۔

بہلی سند میں احمد بن یوسف مجہول ہیں اور عافیہ بن ایوب مجہول ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے، امام ذہبی اس کے متعلق فرماتے ہیں: تکلم فیہ ما هو بحجة وفيه جهالة اس راوی میں کلام ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتا نیز اس میں جہالت بھی ہے۔ (میزان الاعتدال)

امام بیہقی فرماتے ہیں: عافیہ مجہول ہے اور ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: یہ ضعیف ہے۔ (لسان المیزان ج ۳ ص ۲۵) نیز اس سند میں القطار بھی ہے؛ کیونکہ سعید بن عبد العزیز کا ابو عثمان نہدی سے سماع ثابت نہیں، ابو عثمان نہدی ۹۵ھ میں بصرہ میں وفات پا گئے تھے جبکہ اس وقت سعید دمشق میں صرف پانچ سال کے بچے تھے۔

دوسری سند میں عبد القدوس بن ابراہیم صنعانی مجہول ہیں اور جعفر بن علی بن آدک الخواری کی اگرچہ ابن ابی حاتم نے توثیق کی ہے؛ لیکن یہ ان کا تفرد ہے، دوسرے ائمہ نقد و رجال میں کسی نے بھی ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اس لئے یہ بھی مجہول ہیں۔

در اصل جعفر بن علی نے ابن ابی حاتم کو ایک نسخہ بھیجا تھا جس سے انہیں تفسیر میں بہت مدد ملی اور اس نسخے سے بہت سی روایتیں بیان کی، یہ روایت بھی اسی نسخے کی ہے، عین ممکن ہے کہ اس احسان کے صلے میں ابن ابی حاتم جعفر کی توثیق کر گزرے ہوں۔ واللہ اعلم۔ امام قرطبیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فی هذا الحديث مقال ولا يصح من قبل اسنادہ اس حدیث میں کلام ہے اور یہ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ (تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۲۹۵)

سند کی بیشمار خرابیوں کے ساتھ یہ روایت متن کے اعتبار سے بھی نہایت مشکوک ہے؛ کیونکہ اس میں بنی اسرائیل پر ماندہ کے نزول سے قبل وبعد کے عجیب و غریب حالات و واقعات جس بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں وہ اس بات کا پختہ قرینہ ہیں کہ یہ کسی اسرائیلی دماغ کا شناختیہ ہے، اسی لئے امام ابن کثیرؒ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: هذا اثر غریب جدا یہ اثر بہت ہی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ (تفسیر ج ۲ ص ۱۶۴) اور چونکہ حضرت سلمان فارسیؒ اسلام لانے سے قبل عرصہ دراز تک یہود و نصاریٰ کے ساتھ رہے اس لئے۔ بشرط صحت۔ شاید کسی موقع پر انہیں کے بیان کردہ یہ واقعات نقل کر گئے ہوں، اسی لئے الغیلا نیات کے محقق اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: فی اسنادہ احمد بن یوسف البصری لم اجد من ترجمہ وعافیۃ بن ایوب تکلموا فیہ، والحديث موقوف من قول سلمان رضى الله عنه، والغالب انه اخذہ عن اهل الكتاب الذين خالطهم، فهو من الاسرائیلیات، واللہ اعلم (الغیلا نیات ج ۲ ص ۱۳۱) ترجمہ: اس روایت کی سند میں احمد بن یوسف بصری ہے جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا، اور عافیہ بن ایوب متکلم فیہ ہے، اور حدیث حضرت سلمان پر موقوف ہے غالب گمان یہ ہے کہ حضرت سلمانؒ نے یہ روایت ان اہل کتاب سے لی ہوگی جن کے ساتھ وہ رہے، اس لئے یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اس اسرائیلی روایت سے استدلال کرنے والوں کے علم پر تو ماتم ہونا ہی ہے ساتھ ساتھ انہیں اپنی عقل پر بھی ماتم کرنا چاہئے؛ کیونکہ اس روایت میں صاف موجود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے نماز سے فارغ ہو کر جب کھڑے ہو کر الحاء و زاری کی اس وقت سینے پر ہاتھ رکھے (غالبا دعا کیلئے سینے تک ہاتھ اٹھائے ہوں گے، جسے بعد کے راویوں نے کچھ کا کچھ کر دیا)، عجیب بات ہے دعویٰ تو ہے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا اور دلیل نماز کے بعد سینے پر ہاتھ رکھنے کی؟

فیاللعجب ولضیعة العلم والعقل

ناچیز کے سامنے اس موضوع پر غیر مقلدین علماء کی لکھی ہوئی وہ کتابیں بھی ہیں جن میں انہوں نے کمال بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علامہ مجدد الدین فیروز بادئیؒ اور علامہ سیوطیؒ جیسے علماء کے اقوال کو بھی حدیث

رسول ﷺ کے طور پر پیش کر کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور اپنی عاقبت خراب کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اس شرمناک حرکت پر ہم اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

ع بے حیاباش و ہرچہ خواہی کن

(۲) ضعیف روایات

دوسری قسم ان روایات کی ہے جو موضوع تو نہیں؛ لیکن ضعیف ضرور ہیں، اس قسم کی روایات تعامل و توارث کی تائید کے ساتھ قابل استدلال ہو سکتی ہیں، اس لئے اس سلسلے میں ہم ان روایات پر تفصیلی کلام نہیں کریں گے (کسی دوسرے موقع پر تفصیلی کلام بھی ہوگا اور ان روایات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے تراشے گئے حیلوں کا بھی مکمل قلع قمع ہوگا ان شاء اللہ) فی الوقت صرف مختصر طور پر ان کا ضعف واضح کر کے غیر مقلدین کو آئینہ دکھائیں گے، کہ احناف سے ہر مسئلہ میں دلیل قطعی صحیح صریح کا مطالبہ کرنے والے خود کہاں کھڑے ہیں۔

(۱) اخبرنا ابو طاہر، ثنا ابو بکر، نا ابو موسیٰ، نا مؤمل، نا سفیان، عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: صلیت مع رسول اللہ ﷺ و وضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳) ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھا۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے؛ کیونکہ علی صدرہ کی زیادت روایت کرنے والا صرف مؤمل بن اسمعیل ہے جو ضعیف راوی ہے اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں، ایک درجن سے زیادہ محدثین نے مؤمل کو بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا اور خراب حافظے والا قرار دیا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے! میزان الاعتدال، لسان المیزان) متعدد غیر مقلدین علماء نے بھی اس روایت کو ضعیف تسلیم کیا ہے، مثلاً ناصر الدین البانی: حاشیہ صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳، زیر علی زئی: نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۳، عبد الرؤف سندھو: تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۲۲۸۔

(۲) حدثنا یحییٰ بن سعید عن سفیان، حدثنی سماک عن قبیصة بن ہلب عن ابیہ قال: رأیت النبی ﷺ ینصرف عن یمینہ وعن یسارہ و رأیتہ یضع ہذہ علی صدرہ و وصف یحییٰ الیمینی علی الیسری فوق البفصل۔ (مسند احمد ج ۱۶ ص ۱۵۲)

یہ روایت بھی ضعیف ہے؛ کیونکہ اس میں سند اور متن کے اعتبار سے بہت ساری خرابیاں ہیں۔ سنہ کی خرابی تو یہ ہے کہ حضرت ہلب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے قبیصہ مجہول ہیں (تقریب) اور سماک بن حرب کو متعدد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے (میزان الاعتدال، لسان المیزان)

متن کی خرابی یہ ہے کہ یضع ہذہ علی صدرہ کا جملہ مشکوک ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ اصل الفاظ یضع ہذہ علی ہذہ تھے جو بدل کر علی صدرہ کر دیئے گئے، اس تحریف پر بیشمار داخلی و خارجی قرائن موجود ہیں جو کسی اور موقع پر مفصل بیان کئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ (ناچیز نے اس جملے کے محرف ہونے پر بیس سے زیادہ داخلی و خارجی قرائن جمع کئے ہیں) نیز اس روایت میں نماز کا بھی کوئی ذکر نہیں اور صرف ایک ہاتھ سینے پر رکھنے کا تذکرہ

ہے دونوں نہیں، جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

(۳) حدثنا ابو توبة، ثنا الهيثم يعني حميد، عن ثور عن سليمان بن موسى عن طاؤس قال: كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره وهو في الصلوة (مراسيل ابی داؤد)
یہ روایت بھی ناقابل اعتبار ہے۔

اولاً: یہ روایت مرسل ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ جس میں غیر مقلدین بھی شامل ہیں کہ صحیح موصول کے مقابلے ضعیف مرسل تو کجا صحیح مرسل بھی قابل قبول نہیں، بالخصوص غیر مقلدین کے یہاں تو ہر قسم کی مرسل ضعیف شمار ہوتی ہے۔

ثانیاً: اس روایت کی سند میں سلیمان بن موسیٰ اشدق ضعیف راوی ہے، دودرجن سے زیادہ محدثین نے اس راوی پر جرح کی ہے (جس کی تفصیل عنقریب ہی کسی موقع پر پیش کیا جائیگی، ان شاء اللہ) خلاصہ یہ کہ یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے۔

(۴) قال موسى، حدثنا حماد بن سلمة، سمع عاصم الجحدري عن ابيه عن عقبة بن ظبيان، عن علي رضي الله عنه: "فصل لربك وانحر" وضع يده اليمنى على وسط ساعده على صدره (تاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۲۴، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۰، تفسیر طبری ج ۲ ص ۶۹۱)

یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہے اور مضطرب بھی۔ ضعیف اس لئے کہ سند میں عاصم جحدری کے والد عجاج جحدری مجہول ہیں۔ اور مضطرب اس لئے کہ عجاج جحدری اپنے استاد عقبہ کی تعیین میں سخت کشمکش کا شکار ہیں، اپنے استاد کا نام بھی عقبہ بن ظبیان بتلاتے ہیں کبھی عقبہ بن ظہیر، کبھی عقبہ بن صہبان اور کبھی صرف عقبہ بغیر کسی نسبت کے، محولہ کتب میں یہ اختلاف صاف دیکھا جاسکتا ہے اور بعد کے محدثین بھی مسلسل اسی اختلاف کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے آئے ہیں، اس لئے یہاں عقبہ کی تعیین مشکل ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عقبہ بن ظہیر اور عقبہ بن ظبیان دونوں ایک ہیں؛ لیکن یہ صرف ظنی اور تخمینہ بات ہے، حقیقت سے اس کا کچھ لینا دینا نہیں اور اگر بالفرض یہ دونوں ایک ہوں تو بھی عقبہ بن صہبان تو یقیناً ان سے الگ ہیں جیسا کہ امام بخاری نے تاریخ میں اور ابو حاتم نے الجرح والتعديل میں ان کا ترجمہ الگ لکھ کر واضح کر دیا ہے؛ بلکہ امام بخاری نے تو اس بات کی جانب بھی صریح اشارہ کیا ہے کہ عقبہ بن ظبیان اور عقبہ بغیر نسبت والے دونوں الگ ہیں، اور اسی کا نام اضطراب ہے، اور مضطرب ضعیف کے اقسام میں سے ہے۔ اس کے برخلاف یہی روایت صحیح سند کے ساتھ التمهيد لابن عبد البر ج ۲ ص ۸۷ پر موجود ہے اس میں نہ تو کوئی مجہول راوی ہے نہ کوئی اضطراب؛ لیکن اس میں علی صدرہ کے بجائے تحت السرّة کے الفاظ ہیں اسی لئے غیر مقلدین مسلکی تعصب کی وجہ سے اس صحیح السند روایت کو چھوڑ کر اپنی اسی ضعیف و مضطرب روایت کو ہی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

قارئین کرام! یہ ہے غیر مقلدین کے دلائل کی کل کائنات، ان تمام روایات میں ایک بھی روایت صحیح تو کجا حسن کے مرتبہ تک بھی نہیں پہنچتی، غیر مقلدین میں ماضی قریب کے سب سے زیادہ محقق سمجھے جانے والے مشہور عالم زیر علی زئی نے ان تمام روایات کو ضعیف تسلیم کرتے ہوئے صرف ایک روایت حدیث حلبؒ کو حسن درجہ تک

پہنچانے کی انتھک کوشش کی لیکن اس میں بھی وہ بری طرح ناکام رہے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صحیح صریح روایت موجود نہیں ہے اس لئے انہوں نے اپنے تمام اصول و ضوابط بالائے طاق رکھتے ہوئے خدا کا خوف کئے بغیر دلیل کے نام پر ہر قسم کی ضعیف و موضوع گری پڑی روایات سے اپنی کتابوں کو سیاہ کیا اور اپنے مسلک کی حمایت کیلئے عوام میں ضعیف و موضوع روایات کے چلن کو عام کرنے میں شرمناک کردار ادا کیا۔

(جاری)

کیا علمائے دیوبند ”وہابی“ ہیں؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے:-

”ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں اور ”وہابی“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔“ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۴ صفحہ ۵۱ / ملفوظ نمبر ۵۵)

”ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کو بدعتی لوگ ”وہابی“ کہتے ہیں، نہ معلوم یہ نسبت کہاں سے تراشی؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟“ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۵ صفحہ ۲۴۲ / ملفوظ نمبر ۲۳۸)

”ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معلوم نہیں یہ بدعتی لوگ ہم کو ”وہابی“ کیسے کہتے ہیں؟ اول تو وہ بدنام شخص عبد الوہاب نہیں خواہ مخواہ بیچارے کو بدنام کیا، وہ محمد بن عبد الوہاب ہے جس نے تشدد سے کام لیا ہے اور جتنا اس کو بدنام کیا ہے وہ بھی اُس درجہ کا نہیں، پھر قطع نظر اس سے ہمارے عقائد بھی تو ان جیسے نہیں، اگر کوئی کہے کہ بعض تو ہیں؟ سو بعض تو تمہارے بھی ہیں مثلاً محمد بن عبد الوہاب اسلام کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو، وہ رسالت کو حق سمجھتا ہے تم بھی حق سمجھتے ہو تو اس سے کیا نقصان ہوا؟ اور بہت سے مسائل میں ہم کو اُن سے سخت اختلاف بھی تو ہے، تو ہم اُن کے قبیح کیسے ہوئے؟ مثلاً وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر قصداً جانے کو حرام کہتے ہیں ہم مستحب؛ بلکہ مؤکد کہتے ہیں، اور ہمارے بعض علماء کا وجوب تک خیال ہے، تو پھر ہم وہابی کیسے ہوئے؟ اگر محض اس وجہ سے وہابی سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کو گالیاں نہیں دیتے تو حضرت رابعہؓ شیطان پر بھی لعنت کرنے کو پسند نہ کرتی تھیں، اور یہ گالیاں اور تہرات و رافضیوں کا مذہب ہے (ہم) اہل سنت والجماعت کو اس سے کیا تعلق؟“ (ملفوظات حکیم الامت جلد ۸ صفحہ ۲۵۹ / ملفوظ نمبر ۳۲۰)

انکار ختم نبوت اور بریلوی حضرات

مولانا ابوالیوب قادری

الحمد لاهله والصلوة علی اہلہا اما بعد!

برادرانِ گرامی قدر! بہت دنوں سے خواہش تھی کہ ایک مضمون جو ذہن میں گردش کر رہا ہے اُس کو سپر قلم کر دیا جائے؛ تاکہ امت مسلمہ کیلئے فائدہ مند ہو، مگر نہ لکھ سکا، اب تائید ایزدی سے چند باتیں آپ کی خدمت میں رکھنے لگا ہوں، اللہ کریم مدد و نصرت فرمائے!

گزارش یہ ہے کہ مَن عَادِی بِنِی وَلَیَّیَّا فَقَدْ اَذْنَتْهُ بِالْحَرْبِ حدیث شریف کئی بار پڑھی، مفہوم و مطلب بھی اپنے اکابرین و اساتذہ سے سمجھا، مگر عملی نمونہ اور مشاہدہ تب ہوا جب رضا خانیت کے اندر جھانک کر دیکھا، آنے والی سطور سے آپ لوگ بھی مشاہدہ کر لیں گے کہ یہ لوگ منکرین نبوت اور ختم نبوت ہمیں کہتے تھے، خدا نے انہی کے گھر سے ان کے اکابر کو کھلوادیا۔ فذلہ الحمد

جہاں تک نبوت اور ختم نبوت کا تعلق ہے تو اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ خدا نے اپنے برگزیدہ بندوں کو خلقت کی راہنمائی و راہبری کیلئے چنا اور پسند کیا، وہ اپنے اپنے زمانے میں تشریف لا کر خلقت کو سیدھی راہ دکھاتے رہے، نبوت کا مبداء اور ابتداء تو سرکارِ طیبہ ﷺ ہی ہیں، انہی سے آغاز ہوا، اور دنیا میں بعثت سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام کی ہوئی اور سلسلہ نبوت چلتے چلتے آنحضور پُر نور شافعِ یوم النشور پر ختم ہو گیا۔ اس کی حکمتیں تو خدا ہی جانتا ہے مگر ہمیں سمجھ یہ آتی ہے کہ سرکار سے سلسلہ نبوت شروع فرما کر بعثت جناب آدم علیہ السلام سے شروع کی گئی یہ یونہی ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ جب کہیں دوسرے ملک کا کام پر چلا جاتا ہے تو اپنی جگہ نائب مقرر کر کے جاتا ہے۔

یہاں بھی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات تشریف لاتے رہے، مگر سارے نائبین تھے، اور اصل و ذاتی نبوت تو رحمتِ دو عالم ﷺ کی تھی، جیسا کہ سیدنا الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق بھی یہی ہے کہ آپ کی نبوت اصل ہے اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض، یعنی آپ ﷺ کو نبوت خدا نے بغیر واسطہ اور وسیلہ کے دی ہے، اور باقی سارے انبیاء کو نبوت سرکارِ طیبہ ﷺ کے واسطہ سے ملی ہے، اسے کہتے ہیں بالذات اور بالعرض۔

اس کی مثال یوں بھی ہو سکتی ہے سورج کی وجہ سے روشنی چاند ستاروں کو ملتی ہے اس سے سورج کا وجود اول ہوگا، ہاں ظہور آخر، جیسے رات کو چاند ستاروں کی چمک سورج کی وجہ سے حالانکہ وہ نظر تو نہیں آ رہا، مگر جب نظر آتا ہے تو سب روشنی کے علمبردار چھپ جاتے ہیں، اور اس کے ظہور کے بعد کسی اور روشنی کے مینار کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی، یونہی سرکار کی روح فتوح کو نبوت کا تاج سجایا گیا عالم ارواح میں، پھر آپ ہی کی وجہ سے کم و بیش چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو نبوت ملی، پھر آ کر میں سرکارِ طیبہ ﷺ تشریف لے آئے، تو آپ کے بعد اب کسی اور نبی کے پیدا ہونے کی ضرورت نہ رہی۔

اللہ نے یہ شان و مرتبہ نبی پاک ﷺ کو عطا فرمایا کہ آپ وجود نبوت میں اول ہیں، مگر آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا، یوں آپ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔

یہاں ایک بات کا اظہار ضروری ہے کہ خدا نے اس سفارت اور نبوت کیلئے انسانوں سے ہی بعض برگزیدہ انسانوں کو کیوں چنا؟

خدا تعالیٰ کی ذات نہایت و غایت تقدس والی ہے، جبکہ عام انسان غایت ظلمت میں ہیں، اب ایسی ذواتِ قدسیہ کی ضرورت ہے جو خدا سے احکامات لے کر بندوں تک پہنچا سکیں، ظاہر ہے فرشتے قدسیت میں تو معروف ہیں، مگر ہمارے تک احکام پہنچانا ان کے بس میں نہیں؛ اسلئے کہ موانست، مجانست نہیں۔ جبکہ جن کی طبیعت میں شرارت اور فطرت میں میل ہے، شعلہ پن ہے وہ احکامات کو نہ لے سکتے تھے اور نہ ہی پہنچا سکتے تھے کہ مخلوق خدا ویسے ہی جنوں سے ڈرتی ہے، اس لئے انسانوں میں سے ہی ان ذواتِ قدسیہ کا چناؤ ہوا جن کو اللہ نے معصوم بنایا اور عصمت کی چادر اوڑھادی، اور جن کی عزت و شان و شوکت و سطوت پر کسی قسم کا دھبہ اور داغ نہیں جو کہ عصمت کی چادر کو بدنام کر دے۔ تو یہ خدا سے احکامات کو لے کر مخلوق خدا تک پہنچاتے تھے ان کیلئے احکام لینا بھی درست اور آگے دینا بھی درست؛ کیونکہ آگے بھی انسان اور یہ بذات خود بھی انسان، گو انسانوں کے اعلیٰ طبقہ اور مرتبہ اور شان و مقام میں ایسے کہ انسانیت کے سارے طبقے ل کر مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس قدر عظمت و رفعت ماننے کے باوجود کہ آپ سے بڑھ کر شان و مقام مرتبہ قدر و منزلت میں خدا کی کل خدائی میں کوئی نہیں آیا اور نہ ہی آئے گا۔ بقول شاعر

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مخضر

مگر رضا خانی اٹی عقل والے اور ہر پھیر کے ماہرین اور مشائین نے امت کو انگریز کی ایماء پر توڑنے کا پروگرام بنایا اور لنگوٹ کس کر میدان میں اتر پڑے، اور لگے ہر ایک کو کافر و مشرک اور گستاخ بے ادب و بے ایمان بنانے۔ (اعاذنا اللہ منہم) سو سال سے زائد یہ لوگ اس تکفیر کے دودھاری خنجر سے امت مسلمہ کا ناحق قتل عام کرتے رہے، مشہور زمانہ ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خدا کی مار ان پر ایسی پڑی کہ آپس میں ہی اپنے بزرگوں کو نبوت اور ختم نبوت کا منکر سمجھنے لگے اور کہنے لگے۔

ہم نے جتنا ہوسکا اس کو اکٹھا کر دیا، اگر کسی صاحب کے پاس اس سے زیادہ حوالجات ہوں تو مزید اس کو بڑھایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو، اور اپنے دینِ عالی کی خدمت کیلئے ہمیں قبول فرمائے، اور یہ اسی کی مہربانی ہے اور توفیق و عنایت ہے کہ ہم دین کی خدمت کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ مزید تر قیاں نصیب فرمائے۔

رضا خانی حضرات کے گھر ایک مسئلہ چل پڑا کہ آیت مغفرت ذنب میں معنی کیا ہونا چاہئے؟
بعض لوگوں نے رضا خان صاحب فاضل بریلوی والا معنی کیا کہ:
”آپ کے سب سے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کرے“
اور بعضوں نے یہ کہا کہ:

”آپ کے بظاہر اور صورتاً گناہ اللہ معاف کرے“

اور بعض نے ”خلافِ اولیٰ“ کے الفاظ استعمال کئے، اور بعضوں نے ”صراحتہً گناہ“ کی نسبت آپ کی طرف

کی، رضاخان کی فکر والے افراد نے باقی تراجم والوں کو کان پکڑا دئے، اور انہیں نبوت کا منکر قرار دیا۔
 آئیے! تفصیل ملاحظہ فرمائیں! یہ ہمارے سامنے ”تحقیقات غلام مہر علی“ موجود ہے، اس میں ”دیوبندی مذہب“ کا مصنف غلام مہر علی چشتیاں کا رہنے والا یوں لکھتا ہے:
 ”قرآن مجید کے کسی لفظ کا ترجمہ ومعنی یا کسی نجی گفتگو میں اپنی طرف سے آپ کیلئے گناہ یا گناہ گار کا لفظ بولنا آپ کی نبوت کا انکار و کفر ہے“۔ (معرکۃ الذنب صفحہ ۱۷، تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۲۲۰)
 آگے لکھتے ہیں:

”جو شخص کسی مقدس نبی کو گناہ گار سمجھتا ہے یا لکھتا ہے خواہ بتاویل گناہ سمجھے یا لکھے یا بتائے، وہ نبی کی نبوت کا منکر ہے، تو نبی کی نسبت لفظ ذنب کا معنی باضافت حقیقیہ الی النبی گناہ نہیں ہو سکتا“ (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۲۲۷)
 ”یہ ترجمہ کہ“ اور بخشش مانگ واسطے گناہ اپنے“ کے سراسر عصمت رسول سے بغاوت و جہالت و شقاوت ہے، نبی کی نبوت کا انکار و کفر ہے“۔ (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۲۲۸)

”نبی کیلئے گناہ کا لفظ بولنے والا اس کی نبوت کا منکر اور کافر ہے“ (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۳۳۸)
 ”چونکہ آپ کے نزدیک حضور ﷺ کے کل کام پسندیدہ نہ تھے؛ بلکہ بعض خلاف اولیٰ ناپسندیدہ تھے، لہذا آپ کی پچھدی ملعون ہذا الامۃ اللہ بخش نیر والاطاف حسین کے نزدیک معاذ اللہ حضور ﷺ نبی نہ تھے“ (تحقیقات غلام مہر علی صفحہ ۷ رسالہ جوابات رضویہ)

”خلاف اولیٰ ناپسندیدہ کام کو پسندیدہ و بہتر نبی پر الزام لگایا اور السعید میں آپ ﷺ کیلئے اتنی دفعہ ثابت کیا کہ شائد اتنی دفعہ کلمہ بھی نہ پڑھا ہوگا، اور خود اپنے استاد یا مرشد کے فیصلہ کہ نبی کل امور میں پسندیدہ ہوتے ہیں کے نتیجے میں منکر نبوت مصطفیٰ ﷺ ہو کر اپنے انجام کو پہنچے“ (جوابات رضویہ صفحہ ۱۸)
 ”آپ لوگ حضور ﷺ پر عمر بھر ناپسندیدہ، خلاف اولیٰ کاموں کا الزام لگا کر آپ ﷺ کی نبوت کے منکر ہو کر تجدید ایمان و نکاح کا بندوبست بھی کر لیجئے“ (جوابات رضویہ صفحہ ۲۴)

”حامد سعید صاحب آپ اور اللہ بخش نیر والاطاف سعیدی میری بیعت ٹوٹنے کی فکر کی بجائے (کاظمی صاحب کے نزدیک ناپسندیدہ کام نہ کر سکنے کے حوالے سے) حضور ﷺ کیلئے ناپسندیدہ کام ثابت کر کے آپ ﷺ کی نبوت کے انکار کی سزا میں اپنے ایمان اور نکاح ٹوٹنے کی فکر کریں“ (جوابات رضویہ صفحہ ۲۸)
 ”تو بقول کاظمی صاحب جب نبیوں نے اپنے ظالم ہونے کا اقرار کر لیا تو معاذ اللہ اپنے نبی ہونے کی نفی کر دی“ (جوابات رضویہ صفحہ ۹۰)

”حضور ﷺ کیلئے خلاف اولیٰ ثابت کرنے والا جاہل ملاں اللہ بخش نیر بفیصلہ کاظمی صاحب منکر نبوت مصطفیٰ ﷺ ہو کر مرتد قرار پا کر ملعون بھی ٹھہرا، اور رشدی کی معنوی اولاد بھی“ (جوابات رضویہ صفحہ ۲۹)
 ”ترجمۃ البیان میں خلاف اولیٰ ناپسندیدہ سب کاموں کا مرتکب لکھنا یہ نص قطعی کا انکار ہے یا حضور سرور انبیاء ﷺ کی نبوت کا انکار ہے“ (جوابات رضویہ صفحہ ۳۳)

”سعیدی حضرات کاظمی صاحب کی مار سے اپنی بیعت؛ بلکہ ایمان کی فکر کریں؛ کیونکہ کاظمی صاحب کے نزدیک نبی ہوتا ہی وہ ہے جس کا ہر کام اولیٰ پسندیدہ ہو مگر بعض سعیدی حضور ﷺ کیلئے خلاف اولیٰ، نہ

بہتر و ناپسند کام ثابت کر کے آپ ﷺ کی نبوت کے ہی منکر ہو کر مرتد ہو رہے ہیں“ (جوابات رضویہ صفحہ ۶۸)
خلاصہ یہ ہے کہ سرکارِ طیبہ ﷺ کیلئے یہ کہنا کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوئے یا یوں کہنا کہ آپ کے خلاف اولیٰ معاف ہوئے یہ انکارِ نبوت اور کفر و ارتداد ہے، اور قائلِ منکرِ نبوت اور کافر و مرتد ہے۔

اب دیکھئے! کون کون لوگ اس انکارِ نبوت کے اعزاز کو حاصل کرتے ہیں؟
فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

”مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی، اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کیلئے“ (فضائل دعا صفحہ ۸۶)
مولوی نقی علی خاں صاحب لکھتے ہیں:

”ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ“ (الکلام الاوضح ۶۲)
مولوی سردار احمد لائل پوری فرماتے ہیں:

”جب نازل ہوئی آیت نبی کریم ﷺ پر آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دئے گئے الخ“ (فوائد دورہ
حدیث شریف صفحہ ۷۸)

جناب احمد سعید کاظمی صاحب لکھتے ہیں:

”تاکہ اللہ آپ کیلئے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال
قرب کی وجہ سے محض صورتِ ذنب ہیں حقیقتِ حسنات الابرار سے افضل ہیں) (التصدیقات صفحہ ۲)

تقریباً پاک و ہند کے ۱۲۰ علمائے بریلوی نے اس کی تصدیق کی۔ (دیکھئے! التصدیقات لدفع التلبسات)
ابوالخیر زیر حیدر آبادی پر جب اختلاف ہوا تو اشرف سیالوی کو ثالث چنا گیا اس نے جو فیصلہ لکھا اس میں ہے:
”جن چیزوں سے آپ نے منع فرمایا؛ لیکن بعد ازاں ایسا کیا بھی تاکہ معلوم ہو کہ یہ چیزیں حرام نہیں تو اس
خلاف اولیٰ کے ارتکاب کو ذنب سے تعبیر کیا گیا اور وہ بھی معاف کرنے کا اعلان کر دیا گیا“ (فیصلہ مغفرت ذنب صفحہ ۳۵)

اس فیصلہ کی تصدیق کرنے والے پاک و ہند کے ۲۰۴ علمائے بریلوی ہیں۔ (دیکھئے! فیصلہ مغفرت ذنب)
تو یہ سب کے سب منکرِ نبوت ہوئے، اور جب نبوت کے منکر ٹھہرے تو ختمِ نبوت کے منکر بھی بن گئے۔
باقی رہی یہ بات غلام مہر علی چشتیاں کا معتبر ہے یا غیر معتبر؟ تو اس کا جواب اتنا ہے کہ اس کی کتاب تحقیقات
غلام مہر علی میں تصدیقات بھی کئی بریلوی علماء کی ہیں۔

اور تذکرہ اکابر اہل سنت میں شرفِ قادری صاحب نے جن کو مفتی منیب صاحب سند اور حجت قرار دیتے ہیں،
مسلک بریلویہ کیلئے وہ یوں تعریف کرتے ہیں:

”فاضلِ حلیل، مولانا مہر علی“ (تذکرہ اکابر اہلسنت صفحہ ۶۶)

اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب لکھتے ہیں:

”آپ نہ صرف ایک معروف اور ممتاز سی خطیب ہیں وہ ایک زبردست مناظر ہیں، آپ کی تصنیف ”دیوبندی
مذہب“ نظریاتی دنیا میں کوہِ الوند بن کر سامنے آئی، اور دیوبندی مناظرین اس کی چٹانوں سے سر پھوڑتے رہے، اس
کتاب کے کئی ایڈیشن چھپے، اس پر دیوبندی پریس نے آہ و فغاں کی، مگر یہ کتاب اپنے ٹھوس دلائل کی وجہ سے مقبول
ہوتی گئی“ (تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور صفحہ ۴۱۹)

ان کی تعریف و توصیف دیگر حضرات سے بھی مل سکتی ہے، مگر بخوف طوالت اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔
قارئین ذی وقار! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ سارا طائفہ ہی نبوت کا منکر اور منکر ختم نبوت نظر آتا ہے۔

ایک اور دلیل سے

مولوی محمد اشرف سیالوی صاحب اور ان کے مؤیدین اور ہم مشرب لوگوں نے ایک نظریہ دیا کہ آنحضور پُر نور ﷺ ۴۰ سال سے قبل نبی نہ تھے؛ بلکہ ۴۰ سال کے بعد نبی بنے، اس سلسلے میں انہوں نے کئی کتب تحریر فرمائیں، تحقیقات، نظریہ وغیرہا۔

مفتی نذیر احمد سیالوی صاحب ان کے رد میں لکھتے ہیں:
”نبوت مصطفیٰ ﷺ عالم ارواح میں بالفعل تسلیم کرنے کے باوجود قبل از بعثت اس کے بالفعل (بمعنی مصطلح) ہونے کا انکار کرتے ہیں، جو کہ زوال نبوت کا قول کرنے کے مترادف ہے“ (نبوت مصطفیٰ ﷺ صفحہ ۲۸۲)
ایک جگہ لکھتے ہیں:

”البتہ تحقیقات کچھ لوگوں کو انکار نبوت کا انعام ضرور دے چکی ہے“ (تصریحات ج ۱ صفحہ ۶۱)
”ان میں ایسی تصریحات موجود ہیں جن میں واشگاف الفاظ میں قبل از بعثت کے عرصہ میں نفی نبوت اور انکار نبوت ہے“ (تصریحات ۱/۹۲)

”صاحب نظریہ کے نزدیک خاتم النبیین کا معنی ہے کہ سب نبیوں کی نبوت کو ختم کر دینے والا اور انہیں منصب نبوت سے محروم کر دینے والا“ (تصریحات ج ۱ صفحہ ۱۰۶)
”بظاہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے لیکن درحقیقت حضور سید المرسلین ﷺ کی بعثت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی نفی کر دی ہے“ (تصریحات ج ۱ صفحہ ۱۱۰)
پروفیسر عرفان قادری صاحب لکھتے ہیں:

”اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے، اور ارواح انبیاء کی تربیت فرما رہے تھے، پھر آپ علیہ السلام سے معاذ اللہ کون سی ایسی لغزش ہو گئی تھی جس کی پاداش میں آپ ﷺ کو تقریباً ۴۰ سال تک اس ارفع و اعلیٰ مرتبہ سے معاذ اللہ معزول کر دیا گیا“ (نبوت مصطفیٰ ﷺ ہر آن ہر لحظہ صفحہ ۶۱)
قاضی محمد عظیم صاحب لکھتے ہیں:

”تحقیقات نے بزور قلم چالیس سال سے قبل نبوت کی نفی کر دی ہے“ (توضیحات صفحہ ۲۵۴)
”تحقیقات کا قبل و جی عصمت کو ماننا اور اس کی بنیاد پر ثابت اور محقق نبوت کو نہ ماننا بالکل غلط اور بے بنیاد سوچ ہے“ (توضیحات ص ۳۵۲)

مفتی عبدالمجید خان سعیدی صاحب لکھتے ہیں:
”کتاب مذکور میں برسیل غلط اس گمراہ کن اور باطل نظریہ کے صحیح ہونے کا پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ حضور سید العالمین ﷺ اپنی ولادت باسعادت کے وقت سے لے کر چالیس سال کی عمر شریف تک معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبی نہیں تھے؛ بلکہ اس مدت میں آپ ﷺ صرف اور صرف ولی تھے الخ“ (تنبیہات صفحہ ۱۱)

دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں:

”قوم پر احسان عظیم کیا ہے جو نفی نفس نبوت میں نہایت صریح ہے“ (مصلحانہ کاوش صفحہ ۸۴)

سیالوی گروپ کے ایک فرد مفتی غلام حسن قادری کے بارے میں سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

”موصوف یہ بحث چھیڑ کر اپنے پیش رو کی عقیدت کے جوش میں ایک بار پھر اس امر کا اقرار کر بیٹھے ہیں کہ وہ

سید عالم ﷺ کو آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر چالیس برس تک آپ کو صرف ولی مانتے ہیں، نبی نہیں مانتے، اس طرح سے وہ جلد بازی میں اس بات کو ظاہر کر بیٹھے جسے وہ چھپانا بہتر سمجھتے تھے، الغرض اس سے اپنا منکر نبوت ہونا بیان کر گئے“ (مصلحانہ کاوش صفحہ ۸۰، ۸۱)

مفتی محمود حسین شائق صاحب لکھتے ہیں:

”علامہ نے رسول کریم ﷺ کے بارے میں اس مسودہ میں یہ موقف اختیار کیا کہ آپ پیدائشی نبی نہیں

ہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ چالیس سال کے بعد غار حراء میں نبی بنائے گئے، پہلے نبی نہیں تھے“ (پیدائشی نبی ج ۱ صفحہ ۳۴، ۳۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”علامہ محمد اشرف سیالوی نے رسول اکرم شفیع معظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیدائشی نبوت کا انکار کر کے

ایک نئے فتنہ کا باب کھولا“ (تجلیات علمی حصہ دوم صفحہ ۳)

مفتی جمیل احمد صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

”حال ہی میں تحقیقات نامی کتاب مصنفہ مولوی محمد اشرف سیالوی منظر عام پر آئی جس میں حضور سید عالم

ﷺ کی ذات اقدس و انور سے از ولادت پاک تا چالیس سال نبوت کی نفی کی گئی؛ بلکہ معاذ اللہ یہ ثابت کرنے کی

کوشش بھی کی گئی کہ آپ ﷺ چالیس سال کی عمر مبارک سے پہلے نبی بننے کے اہل بھی نہ تھے“ (انتبشیرات صفحہ ۸)

مفتی عبدالجید خان سعیدی ایک جگہ لکھتے ہیں:

”مصنف تحقیقات کے نزدیک حضور ﷺ میں معاذ اللہ نبی ہونے کی صلاحیت نہ تھی“ (سندیلوی کا چیلنج منظور

ہے صفحہ ۵)

القصہ مولوی اشرف سیالوی صاحب اور ان کی جماعت جس میں کئی بریلوی اکابر ہیں، سب ہی منکرین نبوت

ٹھہرتے ہیں، اور جب نبوت کے منکر ہوئے سرکار کی تو پھر سرکار کی ختم نبوت کا بھی تو انکار ہو گیا، اور یہ سب انہی کے

اکابر کے فتاویٰ سے مبرہن اور ثابت ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے سیالوی صاحب کے خلاف کتابیں لکھی ہیں۔

باقی رہا اشرف سیالوی وغیرہ کا معتبر ہونا تو حنیف قریشی صاحب کے ”مناظرہ گستاخ کون؟“ میں اسے قائد

بریلویت بتایا گیا ہے، اور مفتی منیب الرحمن صاحب کی تفہیم المسائل ج ۳ کے مقدمے میں اسے مسلک بریلویہ کیلئے سند

اور حجت قرار دیا گیا ہے، تو جب قائد بریلویت ہی منکر نبوت ہیں تو باقی پھر کیا بچا؟

ایک اور دلیل سے

مفتی احمد یار نعیمی گجراتی صاحب لکھتے ہیں:

”نبی جنس بشر میں آتے ہیں، اور انسان ہی ہوتے ہیں“ (جاء الحق صفحہ ۱۷۳)

تفسیر نور العرفان صفحہ ۶۸۷ سورہ جن کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”نبوت انسانوں سے خاص ہے“

اور آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”رسول صرف انسان ہوتے ہیں“

تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں:

”رسول صرف انسان ہیں“ (تفسیر نعیمی جلد ۸ صفحہ ۱۲۳ رکوع نمبر ۳)

معلوم ہوا کہ رسالت و نبوت کا سہرا اور تاج اللہ نے انسانوں میں سے ہی افراد کو منتخب اور چن کر ان کے سروں پر سجایا ہے، لہذا جو ان کی انسانیت اور بشریت کا انکار کرے تو ان کی نبوت کا بھی انکار ہو جائے گا؛ کیونکہ جب وہ انسان نہ رہے تو نبی کیسے بنیں گے؟ کیونکہ نبوت تو انسانوں کو ہی ملی ہے۔

مفتی عبدالجبار خان سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

”جو ذات اقدس سب سے پہلے بشر (ابو البشر) سے بھی پہلے موجود ہو اس مقدس و مطہر ہستی کو بشر کہنا یا ماننا کس

طرح صحیح ہے؟“ (مصلحانہ کاوش صفحہ ۱۵۱، انوار قریہ صفحہ ۱۹۴)

مفتی عبدالرحیم اسکندری شر صاحب لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ایک جنس سے دوسری جنس پیدا کرنے پر قادر ہے، جیسے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی انٹیٹی والے قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے ایک جنس کو دوسری جنس سے پیدا فرمایا، اسی طرح حضور ﷺ کو نور بنایا اور بشر سے پیدا فرمایا“ (الفتح المبین صفحہ ۱۴۴)

اس کا صاف مطلب ہوا کہ آپ ﷺ بشر نہیں ہیں جیسا کہ ہر عاقل کو سمجھ آ رہا ہے۔

تفسیر نعیمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ پر خود مفتی احمد یار نعیمی گجراتی نے لکھا ہے کہ:

”ان کو بشر ماننا ایمان نہیں“

اور بریلوی کتب میں انبار لگے ہیں کہ آپ ﷺ لباس بشریت میں تشریف لائے۔ (دیکھئے! نور العرفان صفحہ

۱۹، تسکین الخواطر صفحہ ۱۱، مقتیاس نور صفحہ ۱۳، مواظبہ نعیمیہ صفحہ ۱۱۹، مقتیاس خفیت صفحہ ۲۳۴ وغیرہا کتب)

جبکہ غلام رسول سعیدی صاحب جو کہ بریلوی اکابر شمار کئے جاتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

”بعض لوگ سیدنا محمد ﷺ کو انسان اور بشر نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور ہے اور بشریت

آپ کی صفت یا آپ کا لباس“ (تبیان القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۵۳)

تو یہ بھی رضا خانی گھر سے معلوم ہو گیا کہ لباس بشریت کا قول انکار بشریت ہے، تو لباس بشریت ماننے

والے سارے کے سارے منکرین نبوت جاٹھڑے، اور جنہوں نے انکار بشریت کیا وہ بھی بقول رضا خانی حضرات

نبوت و رسالت کے منکر ٹھہرے، اور جب نبوت و رسالت کا انکار ہو تو پھر خاتم الانبیاء آپ ﷺ کیسے

ٹھہرے؟ (العیاذ باللہ من سوء الفہم والہیمل)

ایک اور دلیل سے

فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

”جب سے نبی سے ﷺ کو نبوت ملی کسی دوسرے کو نہیں مل سکتی“ (ختم نبوت صفحہ ۴۱)
دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

”تمام انبیاء و مرسلین کے سردار نبی ہوئے جبکہ آدم آب و گل میں تھے“ (تجلی البقین صفحہ ۸۷)

آپ نتیجہ خود ہی نکال لیں کہ سارے انبیاء کی نبوت پر ہی ہاتھ صاف فرمادیا؛ کیونکہ معلوم یہ ہو رہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو تخلیق آدم سے پہلے نبوت ملی، اور آپ کو ملنے کے بعد کسی اور کو نہیں مل سکتی، تو پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیائے کرام کی نبوت کا کیا بنا؟ تو انکار ہی صراحۃً نظر آ رہا ہے۔

ایک اور دلیل سے

ملت بریلویہ کے نزدیک آپ ﷺ کے بعد کسی کی نبوت فرض کرنا بھی کفر ہے، اور وہ اس کو ختم نبوت کے انکار کے مترادف سمجھتے ہیں۔

چنانچہ مولوی محمد عمر اچھروی صاحب لکھتے ہیں:

”تخذیر الناس۔۔۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہوتا تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، ثابت ہوا کہ بانئِ مرزائیت دیا بنہ ہیں، جو نبی ﷺ کے بعد نبی پیدا کرنے کے درپے ہیں (العیاذ باللہ من هذا الافتراء۔ از: قادری) اور احناف کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے بعد کسی کو نبی فرض کرنا بھی کفر ہے“ (مقیاس حقیقت صفحہ ۱۹۸)

چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ فرض کرنے کو بھی انکار ختم نبوت سمجھتے ہیں، اسی لئے تو نانوتوی صاحب پر اعتراض ہے، جبکہ فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

”اگر حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا حضور کے صاحبزادے ابراہیم انتقال نہ فرماتے“ (ختم نبوت صفحہ ۴۳)
مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی صاحب لکھتے ہیں:

”اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو پٹھانوں کے خوف سے حج جیسے فریضہ سے محروم نہ رہتا“ (نور العرفان صفحہ ۸۰۶)
اسی نور العرفان میں ہے:

”اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوتا۔۔۔ وغیرہا“
تو ان لوگوں نے بھی نبوت کو فرض کر کے انکار ختم نبوت کیا، ہے کوئی رضا خانی جوان کو انکار ختم نبوت کی زد سے بچا سکے؟

دوماہی رسالہ ”تحفظ سنت“ کے بارے میں اپنی قیمتی آراء اور مشورے تحریر فرما کر ارسال فرمائیں!

اس نمبر 9457637025 پر وہاٹس ایپ کریں!

یا پھر اس پتہ anjumantahaffuzesunnat@gmail.com پر ای میل کریں!

ماہ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ

زین العابدین قاسمی بہرائچ یو۔ پی

ماہ محرم اسلامی سال (ہجری کیلینڈر) کا پہلا مہینہ ہے، اسی مہینہ سے اسلامی جنتی کی شروعات ہوتی ہے، نبی اکرم ﷺ نے اس مہینہ کو ”اللہ کا مہینہ“ فرمایا ہے، اور فضیلت و عظمت میں رمضان المبارک کے بعد اسی مہینے کا درجہ ہے، صحابی رسول سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینے محرم کا روزہ ہے، (مسلم شریف) اسی مہینہ کی پہلی تاریخ کو خلیفہ دوم، فاروق اعظم، امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی، اور دسویں تاریخ کو نواسہ رسول، جگر گوشہ، بول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔

واضح رہے کہ واقعہ شہادت کی وجہ سے نہ تو محرم کا مہینہ غم کا مہینہ ہے، اور نہ ہی محرم کی دسویں تاریخ غم کی تاریخ ہے، اگر شہادت کی وجہ سے کسی مہینہ کو غم کا مہینہ یا کسی تاریخ کو غم کی تاریخ قرار دی جائے تو سال کے ہر مہینے کو غم کا مہینہ اور ہر تاریخ کو غم کی تاریخ قرار دینی پڑے گی، کیونکہ سال کا کوئی مہینہ یا کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں کسی کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو، اسلام کی تاریخ تو شہیدوں کی شہادت سے بھری پڑی ہے، حقیقت یہ ہے کہ شہادت غم کا سبب نہیں ہے بلکہ شہادت تو ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ ہر مومن کو اس کی تمنا ہونی چاہئے، خود نبی اکرم ﷺ بھی شہادت کی تمنا فرماتے تھے، چنانچہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں (بخاری شریف، مسلم شریف) شہادت اگر غم کا سبب ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس کی تمنا کیوں فرماتے؟

یوم عاشوراء

محرم کی دسویں تاریخ کو ”یوم عاشوراء“ کہا جاتا ہے، یہ فضیلت و عظمت والا دن ہے، مگر یاد رہے کہ اس فضیلت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس دن سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تھی جیسا کہ بعض عوام کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شہادت کا واقعہ پیش آنے سے پہلے اس دن کی کوئی فضیلت نہ ہوتی، حالانکہ واقعہ شہادت سے پہلے بلکہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی اس دن کی فضیلت مسلم تھی، چنانچہ اسی فضیلت و عظمت کی وجہ سے مسلم شریف کی روایت کے مطابق مکہ مکرمہ میں کفار قریش اور مدینہ منورہ میں یہودی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، اور خود حضور ﷺ بھی جب تک مکہ مکرمہ میں رہے اس دن روزہ رکھتے رہے، اور جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، اس سے ثابت ہوا کہ یوم عاشوراء کی فضیلت نواسہ رسول کی شہادت کا واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی سے ہے، لہذا حقیقت یہ ہے کہ اس فضیلت والے دن میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی

شہادت ہوئی ہے نہ کہ واقعہ شہادت کی وجہ سے اس دن کو فضیلت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ (مکہ سے) ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ یوم عاشوراء یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھتے ہیں، حضور ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم لوگ جو اس دن روزہ رکھتے ہو تو اس کی وجہ کیا ہے؟ یہودیوں نے بتلایا کہ یہ بہت بڑا دن ہے، اسی دن اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو (فرعون جیسے ظالم و جابر بادشاہ کے ظلم و ستم سے) نجات دے کر فرعون اور اس کی قوم کو (دریا میں) ڈبوایا تھا تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا انہی کی اتباع میں ہم لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تو تمہارے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں (کیونکہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، جب تم لوگ روزہ رکھتے ہو تو مجھے تو بدرجہ اولیٰ روزہ رکھنا چاہیے) چنانچہ حضور ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف) ویسے تو حضور ﷺ ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ ہی میں یوم عاشوراء کو روزہ رکھتے تھے جیسا کہ مسلم شریف کے حوالے سے اوپر گذرا، مگر مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر اس دن روزہ رکھا ہے تو اس روزے کا اور زیادہ اہتمام فرمانے لگے یہاں تک کہ خود تو روزہ رکھتے ہی تھے حضرات صحابہ کرام کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا تاکید کے ساتھ حکم فرماتے تھے، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (خود بھی) عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور ہم سب کو بھی اس پر ابھارتے تھے، اور ہم سب کی نگرانی (بھی) فرماتے تھے (کہ کس نے روزہ نہیں رکھا) (مسلم شریف) رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ واجب تھا، رمضان کا روزہ فرض ہوجانے کے بعد اس کا وجوب ختم ہو کر مستحب ہو گیا، یعنی جس کا جی چاہے روزہ رکھے، جس کا جی چاہے نہ رکھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”نبی اکرم ﷺ رمضان کی فرضیت سے پہلے اس (عاشوراء) کے روزے کا حکم فرمایا کرتے تھے، پھر جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو یہ حکم ہوا کہ جس کا جی چاہے وہ یوم عاشوراء کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے“ (مسلم شریف)

یوم عاشوراء کے روزے کی فضیلت

یوم عاشوراء کا روزہ مستحب ہے، اس دن روزہ رکھنے سے پچھلے ایک سال کے گناہِ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے ایک سال (کے گناہوں) کو مٹا دیتا ہے (مسلم شریف) رمضان کے روزے فرض ہوجانے کے بعد بھی نبی اکرم ﷺ کا معمول یہی تھا کہ ہر سال عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بتاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ (دنوں میں) عاشوراء کے روزے کو دوسرے دنوں کے روزے پر اور (مہینوں میں) رمضان کے روزے کو (دوسرے مہینوں کے روزے پر) فضیلت دیتے تھے (بخاری شریف، مسلم شریف)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عارف حسین قاسمی

حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان ہے کہ: الناس معادن خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا (بخاری ج ۱ ص ۱۴۹، مسلم ج ۲ ص ۲۶۸) یعنی جس طرح زمین کی کانیں مختلف الاستعداد ہوتی ہیں کسی سے سونا نکل رہا ہے کسی سے چاندی، کوئی بیتل کی کان ہے کوئی لوہے کی، کسی سے کوئلہ نکل رہا ہے۔ ان سب کانوں میں سونے کی کان کو سب کانوں پر شرف حاصل ہے، اسی طرح انسان بھی مختلف الاستعداد ہوتے ہیں، اگر شریف النسب آدمی اسلام لانے کے بعد فقیہ بن جائے تو یہ سونے پر سہاگہ اور نور علی نور ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی نسبی شرافت کا کیا کہنا، آپ کے نسب مبارک میں آٹھ انبیاء علیہم السلام اور سولہ بادشاہوں کے اسمائے گرامی آتے ہیں، اسی نبوت و ملوکیت کے حسین ترین امتزاج کا نام نعمان بن ثابت ہے، جنگی پیدائش ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ کو فہ ہے، اس شرافت نسبی پر جب فقہات یعنی نبوت کی مزاج شناسی کا نور چمکا تو اس عظمت کا اعتراف اہل اسلام نے امام اعظم کے لقب سے کیا، اور بقول صاحب تاریخ ابن خلکان امام اعظم ابوحنیفہ عالم، عابد، زاہد، صاحب ورع وتقویٰ، کثیر الخشوع، دائم التفرع، خوبصورت، خوش سیرت، بڑے کریم، مسلمان بھائیوں کے عمدہ مددگار، میانہ قد، گندم گوں، خوش تقریر اور شیریں زبان تھے۔

اور بقول حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ سابق صدر روابانی دارالعلوم کراچی ”حضرت امام اعظم کی علمی جلالت شان اور علمی کمالات، ورع وتقویٰ، عبادت و زہادت ایسی چیزیں نہیں جس سے کوئی لکھا مسلمان ناواقف ہو، اپنوں اور غیروں میں موافق و مخالف سبھی میں یہ چیز ناقابل اختلاف سمجھی گئی ہے؛ لیکن ہر امام اور ہر عالم مقتداء علوم دین کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک شعبے کو بحیثیت فن کے اپنے سعی و عمل کے لئے مخصوص کر لیتا ہے یا منجانب اللہ ایسے اسباب ہو جاتے ہیں کہ یہ فن ان کی خصوصیت بن جاتی ہے، وہ دنیا میں عام طور پر اسی فن کے ماہر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے، مگر اس کا یہ مطلب کہیں نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے علوم و فنون کے ماہر نہیں ہیں۔

حضرت امام اعظم کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام علوم اسلامیہ نقلیہ تفسیر حدیث وغیرہ میں بلکہ علوم عقلیہ کلام وغیرہ میں بھی اعلیٰ درجہ کا کمال عطا فرمایا تھا، مگر ان تمام علوم و فنون میں سے جس چیز کو اپنے لئے خاص فن کی حیثیت سے انہوں نے اختیار کیا وہ تفقہ فی الدین ہے، اس لئے دنیا میں آپ کی عام شہرت فقیہ کی حیثیت سے ہوئی۔ اہل بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں کہ فقہ میں کوئی شخص اس وقت تک امامت و مہارت کا درجہ حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ قرآن و سنت میں مہارت تامہ حاصل نہ کر لے۔ (از امام اعظم اور علم حدیث)

امام اعظم کے فضائل و مناقب کے لئے تاریخ ابو نعیم کی یہ روایت ہی کافی ہے، جس کو حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اعظم الناس نصيبا في الاسلام اهل فارس لو كان

الاسلام فی الثریا لتناولہ رجال من اهل فارس“ اس پیشین گوئی کے اولین مصداق امام اعظمؒ ہیں؛ کیونکہ ائمہ متبوعین میں امام صاحبؒ ہی فارسی النسل ہیں، امام احمد بن حنبلؒ عرب کے شیبانی قبیلہ کے چشم و چراغ ہیں، امام شافعیؒ عرب کے خاص مطلبی قریشی قبیلہ کے فرزند اور امام مالکؒ عرب کے انجلی قبیلہ کے نو نہال ہیں۔

انہیں چاروں اماموں کے ذریعہ آپ ﷺ کی مکمل سنت مکمل تدوین اور عملی تواتر سے امت تک پہنچی ہے، لہذا اعظم کا جو لفظ زبان رسالت پر آیا تھا وہ امام ابو حنیفہؒ کیلئے اہل اسلام میں بلا تکرار رائج ہو گیا؛ لیکن کچھ لوگوں کو لفظ امام اعظم پر بڑے شہوہ کے ساتھ مروڑ آیا اور کہنے لگے کہ اماموں میں سب سے بڑے امام تو آپ ﷺ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حماقت کی دنیا میں سوکھی گھاس کھا کر اوپر سے پانی پیتے ہیں، اگر اعتراض ہی کرنا تھا تو پہلے صدیق اکبر اور فاروق اعظم پر کرتے۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان اور امام اعظمؒ کے طریقہ کار اور اخلاص کی وجہ سے فقہ حنفی کے ذریعے کتاب و سنت خیر القرون میں ہی چہار دانگ عالم میں پہنچ چکی تھی، محدث حرم امام سفیان بن عیینہؒ کی پیدائش ۹۱ھ اور وفات ۱۹۸ھ ہے۔ فرماتے ہیں: ”شیعان ما ظننتہما ان یتجاوزا قنطرة الکوفة قراءة حمزة ورأى ابی حنیفة وقد بلغا الآفاق“

خیر القرون کی حد ۲۲۰ھ تک ہے جیسا کہ بخاری جلد اول صفحہ ۳۶۲ کے حاشیہ نمبر ایک میں ہے، نیز اہل حدیث کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب ریاض المرتاض ص ۳۱۶ پر مسالک الممالک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

”عباسی خلیفہ واثق باللہ نے کچھ لوگوں کو سد سکندری کا حال معلوم کرنے کیلئے چین کی آخری سرحد پر بھیجا، وہاں کی جو رپورٹ انہوں نے آ کر دی ہے اس میں لکھا ہے کہ ”محافظان سد کہ درآں جا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی، زبان عربی و فارسی می گفتند، اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند“ یعنی سد سکندری کے تمام محافظ باشندے مسلمان حنفی مذہب تھے، عربی فارسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے مگر سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے۔

اور یہی نواب صاحب اپنی دوسری کتاب ”ترجمان وہابیہ“ کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں:

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اسی مذہب کے عالم اور فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔“

جناب نبی کریم ﷺ کی بشارت و پیشین گوئی کے باعث (جو اوپر گزری) ہر دور میں مقلدین امام اعظمؒ دو تہائی رہے ہیں، علامہ شکیب ارسلان التوفی ۳۶۱ھ لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کی اکثریت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے پیرو و مقلد ہیں سارے ترک و بلقان کے مسلمان، روس اور افغانستان کے مسلمان، ہندو پاک کے مسلمان اور عرب کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک رکھتے ہیں۔“ (حسن المسامی ص ۶۹)

اور ۱۹۱۱ء کی سرکاری مردم شماری کے مطابق حنبلی ۳۰ لاکھ، مالکی ایک کروڑ، شافعی دس کروڑ، اور حنفی ۳۷ کروڑ سے زائد تھے، یہ کثرت اتباع یقیناً امام اعظمؒ کے لئے باعث فخر ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے کثرت

امت پر ایک مرتبہ بطور فخر ارشاد فرمایا تھا کہ: میدان قیامت میں جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۷۷)

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ ۱۹۱۱ء کی اس مردم شماری میں دوسرے مسالک کا کوئی خانہ نہیں تھا۔
 رہا امام اعظمؒ کے فضائل و مناقب کا مسئلہ تو اس پر ہر مذہب کے لوگوں نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، حضرت مولانا امین صفدرؒ کے خطبات ج ۲ ص ۱۳۰ پر تقریباً ۲۳ کتابوں کے نام مع مصنفین کے درج ہیں، ان میں سے ایک کتاب خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد ہے، اس کی تیرھویں جلد میں خطیب نے نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ امام صاحبؒ کے فضائل و مناقب جمع کئے ہیں، مگر بعد میں ایسے مثال بھی لکھ دیئے کہ امام صاحبؒ کا اسلام بھی ثابت نہ ہو، ظاہری بات ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتی کہ وہ افضل ترین انسان بھی ہو اور بدترین خلائق بھی، اب دیکھنا یہ ہے کہ امت نے اجماعاً امام صاحبؒ کے محاسن قبول کئے ہیں یا مثال؟ ہر دور میں امت کے سواد اعظم کا امام صاحبؒ کے مسلک کی اتباع اس بات کی نہایت ہی واضح و بین دلیل ہے کہ امت نے اجماعی طور پر امام صاحبؒ کے محاسن اور فضائل و مناقب کو قبول کیا ہے اور مثال کو اجماعی طور پر رد کر دیا ہے۔

اصول شریعت

بعض لوگ سوال میں یہ قید لگا دیتے ہیں کہ اس کا ثبوت قرآن سے دیا جائے، اور علماء بھی خواہ مخواہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کو قرآن ہی سے ثابت کیا جائے۔

حالانکہ جب اصول شریعت چار ہیں، کتاب و سنت و اجماع و قیاس، تو ہر عالم کو حق ہے کہ وہ کسی مسئلہ کو قرآن سے ثابت کر دے یا حدیث سے یا اجماع امت سے یا قیاس مجتہد سے۔ آخر تمام مسائل کو قرآن سے آپ کہاں تک ثابت کریں گے؟۔۔۔

قرآن میں دین کی سب باتیں مذکور ہیں، مگر یہ ضرور نہیں کہ سب صراحۃً مذکور ہوں؛ بلکہ اس میں قواعد کلیہ مذکور ہیں جن سے مجتہدین مسائل جزئیہ استنباط کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک قاعدہ قرآن میں یہ بھی مذکور ہے: مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ (حکم) دیں اس کو لے لو، اور جس بات منع کریں اس سے باز رہو) تو اب جتنے احکام احادیث نبویہ سے ثابت ہیں وہ سب اس قاعدہ کی جزئیات ہیں، لہذا ہم کو حق ہے کہ بعض احکام کا ثبوت احادیث سے دیں۔ نیز قرآن میں ایک قاعدہ یہ بھی مذکور ہے: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (ترجمہ: اے بصیرت والو! اعتبار حاصل کرو) اور اعتبار کہتے ہیں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کرنے کو، اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام قیاس سے بھی ثابت ہوتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس! پھر ہم کو اس پابندی کی کیا ضرورت ہے کہ ہر مسئلہ کو جواب قرآن ہی سے دیں (یا حدیث ہی سے دیں؛ بلکہ چاروں اصول میں سے کسی بھی دے سکتے ہیں) ((خطبات حکیم الامت ۲/۱۰۴))

اسلام میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت

مولانا یونس مظاہری

اسلام کی بنیاد ایک نظریہ پر قائم ہے جس کے بنیادی ارکان توحید باری تعالیٰ، نبوت و رسالت اور ختم نبوت بر حضرت محمد ﷺ اور عقیدہ معاد ہے۔ ان عقائد کے حاملین آپس میں فروعی اختلافات کے باوجود ایک جسم کی مانند ہیں۔ پس امت مسلمہ کا وجود بھی اسی وقت تک قائم ہے جب تک یہ امت اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کی حامل و محافظ ہوگی اور کوئی جماعت یا فرد ان عقائد و نظریات میں سے کسی ایک کا بھی منکر یا مخالف ہوگا تو اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ایسی جماعت یا فرد اسلام سے خارج ہے۔

نبوت و رسالت انسان کی سب سے اہم بنیادی اور فطرتی ضرورت ہے جو تخلیق انسان کی ابتداء سے چھٹی صدی عیسوی تک قومی، علاقائی اور دیگر چند بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی معاشرے کی صلاح و فلاح کیلئے الگ الگ انبیاء و رسل کی بعثت کی شکل میں ہوتی رہی پھر جب حکمت الہی کے مطابق دنیا کے جغرافیائی، تمدنی، مواصلاتی اور ذہنی احوال ایسی صورتحال اختیار کر گئے کہ پوری دنیا کو ایک مرکز ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہو گیا اور قیامت تک کیلئے دین اور دین کے سرچشموں ”کتاب و سنت“ کی حفاظت کے اسباب پیدا ہو گئے تو حضرت محمد ﷺ کو رب العالمین نے ”خاتم النبیین“ اور ”رحمۃ للعالمین“ بنا کر مبعوث فرمایا اور گویا یہ طے کر دیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانہ اور پورے کرۂ ارض میں بسنے والے جنات اور انسانوں کیلئے صرف یہی ذات اقدس وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس سے ان کے لئے ہدایت پھوٹ سکتی ہے۔ جو انسانیت کی رہنمائی کیلئے کافی وافی ہے۔ دین اسلام میں جس طرح توحید باری تعالیٰ، رسالت اور قیامت کے بنیادی، قطعی اور اصولی عقائد پر ایمان لانا لازمی ہے اسی طرح اس امر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ کی بعثت کے بعد یوم قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی شخص کیلئے باب نبوت کھلا ہے۔ جو شخص ختم نبوت کے اس معنی کا انکار کرے یا تاویل و تحریف کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مختصر یہ کہ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا وہ بنیادی اور اہم عقیدہ ہے جس پر پورے دین کا انحصار ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ ہے تو دین محفوظ ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ نہ ہو تو دین محفوظ نہیں رہتا گویا عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ پورے دین کا تحفظ ہے اس لئے کہ اگر یہ عقیدہ محفوظ نہ ہو اور حضور تاجدار انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا مان لیا جائے تو وہ نبی دین کے کسی حکم کو منسوخ کرنا چاہے جیسے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ”جہاد“ کے حکم کو منسوخ کر دیا یا پورے دین کو منسوخ کر کے نیا دین پیش کر دے جیسا کہ بہاء اللہ ایرانی نے پورے کا پورا دین اسلام منسوخ کر کے نیا دین ”دین بہاء“ ایجاد کر لیا حتیٰ کہ اس نے قرآن حکیم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ ”البیان“ کتاب پیش کر دی اور مسلمانوں کا قبلہ و کعبہ مکہ میں ہے مگر اس نے قبلہ بدل کر ”عکہ“ فلسطین میں بنالیا اب دین کی کیا چیز باقی رہی گویا نبوت بدلنے سے پورا دین بدل گیا۔ قرآن کریم نے ایک سو سے زائد آیات اور موجودہ ذخیرہ احادیث میں دوصد سے زائد احادیث نبوی اس عقیدہ کی وضاحت کر رہی ہے۔ جن میں پورے بسط اور تفصیل سے ختم نبوت کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قرن اول سے لیکر آج تک پوری امت مسلمہ کا اجماع چلا آتا

ہے کہ حضور اکرمؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے؛ بلکہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تو فتویٰ ہے کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت سے دلیل طلب کرنا یا معجزہ مانگنا بھی کفر ہے۔ فرمایا: ”مَنْ طَلَبَ مِنْهُ عِلْمًا فَقَدْ كَفَرَ“ کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت سے دلیل طلب کی وہ یقیناً کافر ہو گیا۔ مدعی نبوت پر ایمان لانا تو کجا اس سے دلیل طلب کرنا کفر قرار دیا، جس طرح کوئی انسان خدا نہیں بن سکتا اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی آدمی نبی/رسول بھی نہیں بن سکتا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جو عظیم قربانی دی وہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظر میں عقیدہ ختم نبوت کی کیا اہمیت تھی؟ اس کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدعی نبوت ”مسلمہ کذاب“ سے جو معرکہ ہوا اس میں بائیس ہزار مرتدین قتل ہوئے اور بارہ سو کے قریب صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں چھ سو کے قریب تو حفاظ اور قراء تھے حتیٰ کہ اس معرکہ میں بدری صحابہ کرام کی قیمتی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کر دیا مگر اس عقیدہ پر آج نہ آنے دی۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک جھوٹی نبوت کا قلع قمع اور صفایا نہیں کیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اجماع امت اور قیاس چاروں اصولوں کی رو سے ثابت اور طے شدہ ہے۔

قرآن مجید اور عقیدہ ختم نبوت

یوں تو پورا قرآن مجید ختم نبوت کی دلیل ہے؛ کیونکہ قیامت تک کے لئے امت مسلمہ کو فلاح کی یہی ضمانت دی گئی ہے کہ قرآن پر ایمان لائیں۔ اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور شخص کی بعثت متوقع ہوتی تو لازمی تھا کہ اس پر وحی رحمانی بھی نازل ہوتی تو پھر نجات کے لئے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (بقرہ آیت ۵۴) ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اور یوم قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن کریم کی ایک صد آیات سے صراحتہ عقیدہ ختم نبوت ثابت ہے۔ ان میں سے چند آیات بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ ختم نبوت کی وضاحت ہوتی ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (سورۃ الاحزاب: ۴۰) ترجمہ: اور نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ؛ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس آیت میں صراحت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور تمام نبیوں کے بعد آپ کی بعثت ہوئی گویا آپ کی آمد کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور آپ کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انس و جان آپ ہی کی امت میں داخل ہوں گے۔ اسی مضمون کو قرآن میں ایک مقام پر یوں ذکر فرمایا گیا ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

إِلَيْكُمْ بِجَمِيعاً (الاعراف: آیت ۱۵۸، پ ۹، ع ۲۰) ترجمہ: (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا پ ۲۲، ع ۳) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ایک اور مقام پر رب العزت فرماتے ہیں: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء، پ ۱، ع ۷) ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر۔

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت اپنے زمانہ سے لیکر قیامت تک پیدا ہونے والے سبھی انسانوں کے لئے عام ہے۔ آپ کے بعد کسی بھی نبی اور رسول کی بعثت نہیں اور اللہ کے دین کی تکمیل بھی ہو چکی۔ اسی لئے یہ اعلان بھی اللہ نے فرمایا: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ پ ۶) ترجمہ: آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام ہی پسند کیا۔ سرچشمہ دین اسلام کی تاقیامت حفاظت کی ذمہ داری کی بابت بھی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (پ ۱۳، ع ۱) ترجمہ: بیشک ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

احادیث نبوی اور عقیدہ ختم نبوت

سیدنا حضرت محمد ﷺ نے اپنی ختم نبوت کا اعلان کئی عنوانات اور مختلف پیرایوں میں صد ہا مرتبہ اور پھر ان عنوانات کو بھی صرف ایک ہی موقع پر نہیں بلکہ صد ہا مواقع پر بیان فرمایا ختم نبوت کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ احادیث میں ختم نبوت کی اس قدر وضاحت ملتی ہے کہ ختم نبوت کا کوئی پہلو معرض خفا میں نہیں رہتا۔ دو صد احادیث میں سے صرف چند احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہے:

۱۔ عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا محمد وانا احمد وانا الباقی الذی یصحی بکفر وانا حاشر الذی یحشر الناس علی عقبی وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی۔ (رواہ البخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ روایت فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور ماحی ہوں یعنی میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں یعنی میرے بعد قیامت آجائے گی اور حشر برپا ہوگا یعنی کوئی نبی میرے بعد قیامت کے درمیان نہیں آئے گا اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔

۲۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلہم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (رواہ مسلم) ترجمہ: حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قرب قیامت میں میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی

الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لي الغنائم وجعلت لي الارض مسجدا وطهورا وارسلت الى الخلق كافة وختم بي النبيون۔ (رواہ مسلم) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے اول یہ کہ مجھے جوامع الکلم دیئے گئے اور دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی گئی تیسرے یہ کہ میرے لیے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا اور چوتھے یہ کہ تمام زمین میرے لیے نماز پڑھنے کی جگہ بنادی گئی اور زمین کی مٹی میرے لیے پاک کر دینے والی بنادی گئی پانچویں یہ کہ میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں چھٹے یہ کہ مجھ پر انبیاء ختم کر دیئے گئے ہیں۔

۴۔ عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلي رضي الله عنه انت مني بمنزلة هارون من موسى الا انه لاني بعدى۔ (رواہ البخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ ایسے ہو جیسے ہارون حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۵۔ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو كان بعدى نبى لكان عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ)۔ (رواہ الترمذی ص ۲۹۰ ج ۲) ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

۶۔ ایک موقع پر آپؐ نے نبوت کو ایک حسی محل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: مثلی ومثل الانبياء من قبلي كمثل رجل بنى بنا فاحسنه واجمله الاموضع لبننة من زاوية من زوايا فاجعل الناس يطوفون به ويتعجبون له ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فاننا اللبنة وانا خاتم النبيين۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۲۸) ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی عمارت بنائی ہو اور اس کی خوب زینت و آرائش کی ہو مگر اس کی ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی ہو۔ پس لوگ اس کے ارد گرد چکر لگائیں اور اس کی خوبی تعمیر پر خوش ہوں اور اس سے کہیں کہ آپؐ نے یہاں اینٹ کیوں نہیں لگائی۔ آپؐ نے فرمایا پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔

اجماع امت اور عقیدہ ختم نبوت

اسلامی تاریخ میں یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں نبوت کا دعویٰ کیا اور نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جہاد کی جو پہلی مہم اپنی خلافت میں بھیجی وہ مسلمانوں کے لیے کذاب اور اس کی جماعت کی طرف تھی۔ جمہور صحابہ کرام نے مسلمانوں کو محض اس کے دعوئے نبوت کی وجہ سے اور اس کے پیروؤں کو اس کی تصدیق کی وجہ سے کافر سمجھا اور صحابہ و تابعین نے مسلمانوں کو کذاب اور اس کے پیروؤں سے باجماع وہ سلوک کیا جو کفار اور مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے گویا امت مسلمہ کا پہلا اجماع آنحضرت ﷺ پر ختم نبوت اور ہر نئے متنبی کے خارج از اسلام ہونے پر تھا۔

قاضی عیاضؒ اپنی کتاب شفاء میں فرماتے ہیں: لانه اخبر انه صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبيين ولا نبی بعده واخبر عن الله تعالى انه خاتم النبيين واجمعت الامة على حمل

هذا الكلام على ظاهرة انه مفهومه المراد به دون تاويل ولا تخصيص فلا شك في كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعاً اجماعاً وسماحاً. (شفاء ص ۳۶۲، مطبوعه هند) ترجمہ: اس لئے کہ آپؐ نے خبر دی ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی خبر دی ہے کہ آپؐ سلسلہ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ میں سمجھ میں آتا ہے وہ ہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ اس اجماع کو یوں نقل فرماتے ہیں: وكونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبیین مما نطقت به الكتب وصدعت به السنة واجمعت عليه الامة في كفر مدعى خلافه ويقتل ان اصر. (روح المعانی، ص ۶۵ ج ۲) ترجمہ: اور آنحضرتؐ کا خاتم النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جن پر تمام آسمانی کتابیں ناطق ہیں اور احادیث نبویہ اس کو بوضاحت بیان کرتی ہیں اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے پس اس کے خلاف کا دعویٰ کافر ہے اگر تو بہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی مضمون کی بابت فرماتے ہیں: دعوی النبوة بعد نبینا کفر بالاجماع. (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲) ترجمہ: ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔

حضرت حکیم الاسلام فاتح بمبئی ہیں

بمبئی ہندوستان کا سب سے بڑا تجارتی شہر ہے، اور بیرونی ممالک سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات کا سب سے بڑا مرکز ہے، حاجیوں کیلئے پورے ہندوستان کا سب سے بڑا حج ہاؤس بھی بمبئی میں ہے، جب پانی کے جہاز سے سفر کرنا پڑتا تھا اسی بمبئی سے ہندوستان کے حجاج کرام کے سفر کا آغاز ہوا کرتا تھا۔ صابو صدیق مسافر خانہ کے نام سے سب سے پہلے حاجیوں کا مخصوص مسافر خانہ بھی بمبئی میں قائم ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد بمبئی ہی میں عالی شان حج ہاؤس اس شان کے ساتھ تیار ہوا کہ پورے ہندوستان میں اتنا بڑا حج ہاؤس کہیں اور تعمیر نہیں ہو سکا۔ اور اس شہر میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے، اور پھر پورے ہندوستان کے ہندو مسلم سکھ عیسائی غرضیکہ ہر ہندوستانی باشندے کیلئے بمبئی اہم ترین مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری طرف پورے ہندوستان میں سب سے زیادہ مسلک دیوبند سے متعلق علماء، صلحاء اور مشائخ کی تعداد ہے مگر اس کے باوجود شہر بمبئی کے دائرے میں مسلک دیوبند ایک اجنبی اور انجان مسلک کی حیثیت سے تھا۔ چنانچہ مسلک دیوبند کے چھوٹے بڑے کسی بھی درجہ کے عالم کیلئے شہر بمبئی میں مجمع عام میں بیان کرنا اور عوام کے سامنے مسلک دیوبند کو اجاگر کرنا ایک مشکل ترین امر تھا۔ لیکن اللہ کے فضل سے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کو ایسی وجاہت اور ایسا علم اور اخلاق حسنہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے علماء اور مشائخ بمبئی سے ناکام واپس آتے تھے اور عوام عمومی سطح پر مسلک دیوبند سے بدظن تھے۔ جناب صوفی عبدالرحمن صاحب مرحوم کی انتہائی کوششوں سے

فضائل اعمال پر اعتراضات کا تحقیقی و تفصیلی جائزہ

ابو حنظلہ عبدالاحد قاسمی

قارئین کرام: شیخ الحدیث، برکت العصر حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے مختلف اعمال کے فضائل پر چند رسالے تصنیف فرمائے تھے جو بعد میں یکجا کر کے فضائل اعمال کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔ یہ رسائل عوام کی اصلاح کی خاطر جس مخلصانہ اور دردمندانہ جذبے کے ساتھ لکھے گئے اسے بارگاہ ایزدی میں شرف قبول حاصل ہو گیا اور اسی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ آج شرق و غرب، شمال و جنوب، بحر و بر میں جس کثرت اور عقیدت و محبت کے ساتھ یہ رسائل پڑھے اور سنے جاتے ہیں کم از کم آخر کی پانچ صدیوں میں لکھے گئے کتب و رسائل میں اس کی نظیر نہیں ملتی، جن کی قسمت میں اللہ نے ہدایت رکھی تھی انہوں ان رسائل سے ہدایت حاصل کی اور جو شرف ہدایت سے محروم تھے وہ مختلف وسوسوں و مکر و فریب کے ساتھ ان رسائل پر کیچڑ اچھالنے میں مصروف ہو گئے، اور اسی خطبہ میں ایسے جاہلانہ و سو فیانہ اعتراضات کر گئے جس سے ان کے علم و عقل کی قلعی کھل گئی، اور جب ان جاہلانہ اعتراضات کی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا تو ان معترضین کی علم دشمنی اور خرد داغی کے ساتھ متعصبانہ ذہنیت اور گمراہانہ فکر و خیال کی پرتیں بھی کھلتی چلی گئی۔

ہم اس سلسلے کے تحت ان تمام اعتراضات و وسوسوں کا بالاستیعاب تفصیلی جائزہ سلسلہ وار اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) کیا فضائل اعمال کی تصنیف کے وقت حضرت شیخؒ کسی دماغی

بیماری میں مبتلا تھے؟

فضائل اعمال میں شامل رسالہ ”حکایات صحابہ“ کی تالیف کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ اس رسالہ کی تمہید میں لکھتے ہیں:

”صفر ۱۳۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کیلئے دماغی کام سے روک دیا گیا تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ (حکایات صحابہ کی تصنیف) میں گزار دوں کہ اگر یہ اوراق پسند خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گزر رہی جائیں گے“ (تمہید حکایات صحابہ)

اس عبارت کو سامنے رکھ کر غیر مقلدین کے بڑے بڑے سورماؤں نے حضرت شیخؒ پر یہ گھناؤنا اعتراض کیا ہے کہ فضائل اعمال کی تصنیف کے وقت حضرت کا دماغ خراب تھا (معاذ اللہ) اور اسی دماغ کی خرابی کے زمانے میں یہ کتاب لکھی اس لئے اس میں بہت سی غلط باتیں لکھ گئے۔

فضائل اعمال میں جن غلط باتوں کی غیر مقلدین نے نشاندہی کی ہے جب ہم ان کا جائزہ لیں گے اس وقت پتہ چل جائیگا غلطی کس کی ہے؟ اور دماغ کس کا خراب ہے؟ فی الوقت ہمیں اس اعتراض کا تجزیہ کرنا ہے۔

اولاً: حکایات صحابہ کے شروع میں لکھی گئی بات کو پوری فضائل اعمال پر چسپاں کرنا خود بہت بڑی جہالت اور فضائل اعمال سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے؛ کیونکہ فضائل اعمال دس رسائل کے مجموعے کا نام ہے جن میں نورسالے حضرت شیخ کے تصنیف کردہ ہیں، اور یہ نورسالے حضرت نے مختلف اوقات میں لکھے ہیں، بعض رسائل کی تصنیف میں کئی کئی سال کا فاصلہ ہے، حضرت شیخ نے خود ہر رسالے کے شروع میں اور اپنی دوسری کتاب آپ بیتی میں ہر رسالے کی وجہ تالیف اور تاریخ تالیف لکھ دی ہے، ہم ترتیب وار ہر رسالے کا سن تالیف قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

فضائل قرآن

رمضان ۱۳۸۹ھ

فضائل رمضان

صفر ۱۳۵۰ھ

فضائل تبلیغ

شوال ۱۳۵۷ھ

حکایات صحابہ

محرم ۱۳۵۸ھ

فضائل نماز

شوال ۱۳۵۸ھ

فضائل ذکر

از شوال ۱۳۶۶ھ تا جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ

فضائل حج

از شوال ۱۳۶۶ھ تا صفر ۱۳۶۸ھ

فضائل صدقات

از رمضان ۱۳۸۴ھ تا ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

فضائل درود شریف

(ماخوذ از آپ بیتی حصہ اول)

اندازہ کر لیجئے! کہ جب ہر رسالے کا سن تالیف الگ الگ ہے اور بعض رسائل میں کئی کئی سال کا فاصلہ ہے حتیٰ کہ فضائل قرآن اور فضائل درود شریف کی تالیف میں چھتیس سال کا فاصلہ ہے اس کے باوجود بھی ایک رسالہ حکایات صحابہ کے متعلق لکھی بات کو ہر رسالے پر چسپاں کرنا کہاں کا انصاف اور کہاں کی عقلمندی ہے؟ جبکہ کئی رسالے حکایات صحابہ سے پہلے بھی تصنیف ہو چکے تھے۔

ثانیاً: حضرت شیخ کی اس عبارت میں کہیں بھی کسی دماغی بیماری کا کوئی ذکر نہیں، صرف دماغی کام سے روکے جانے کا ذکر ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ بیماری کوئی دماغی تھی جس میں ڈاکٹر نے دماغی کام سے منع کیا تھا یا کوئی عام بیماری تھی؟

حضرت شیخ نے آپ بیتی میں اس بیماری کے متعلق لکھا ہے کہ:

”نکسیر کی بیماری تھی جو قدیمی نہیں؛ بلکہ اچانک ایک سفر میں حملہ آور ہوئی تھی“ (آپ بیتی حصہ اول ص ۱۷۴)

نکسیر کی بیماری کے متعلق سبھی جانتے ہیں کہ یہ ایک عام سی بیماری ہے جو گرمی وغیرہ کی شکایت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ہندوستان کے مشہور حکیم کبیر الدین صاحب لکھتے ہیں:

”رعاف (نکسیر) عام طور پر کثرت وحدت خون کی وجہ سے عارض ہوا کرتا ہے“ (بیاض کبیر حصہ اول ص ۵۸)

یعنی خون کی زیادتی یا گرمی کی وجہ سے یہ بیماری ہوتی ہے، اس عام بیماری کو دماغی مرض؛ بلکہ اس سے بڑھ کر

دماغ کی خرابی بتلانا معترضین کی امانت و دیانت اور اخلاقی لپستی، شرافت کے دیوالیہ پن اور دماغی کیفیت کا پتہ دیتا ہے۔

حضرت شیخ کی زندگی سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ آپ پوری پوری رات مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں گزارتے اور دن درس و تدریس میں، ظاہر ہے یہ کام نہایت ہی دماغی ہیں، اس لئے ڈاکٹر نے کچھ دنوں کیلئے ان کاموں سے روک دیا، اسی فرصت کے عالم میں حضرت نے یہ کتاب تالیف فرمادی، یہ تالیف بھی عام دماغ والوں کیلئے یقیناً دماغی کام ہے؛ لیکن جس شخص کا روزمرہ کا مشغلہ دس دس موضوعات پر بیک وقت مطالعہ، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس ہو اس کے لئے دیگر تمام امور سے یکسو ہو کر حدیث و تاریخ کی کتابوں سے اصحاب رسول ﷺ کے واقعات نقل کر دینا کون سا دماغی کام ہے؟

مثلاً: اگر بالفرض و الحال تھوڑی دیر کیلئے معترضین کی دماغی خرابی کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ مان لیا جائے کہ یہ دماغی بیماری تھی تو بھی اس بیماری میں حضرت شیخ نے صرف حکایات صحابہ لکھی اور اتفاق دیکھئے کہ اسی حکایات صحابہ پر غیر مقلدین نے سب سے کم اعتراض کئے ہیں اور جو کئے ہیں وہ بھی بالکل احقاً نہ و جاہلاً نہ ہیں، یہ تو حضرت کی کرامت ہوگئی کہ اتنی شدید بیماری میں ایسی بہترین عمدہ کتاب تصنیف فرمادی کہ متعصب دشمن بھی اعتراض نہ کر سکے، اب غیر مقلدین خود غور کر لیں کہ جس کی بیماری کی حالت میں لکھی ہوئی کتاب نے تمہارے معترضین کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیا اس کی حالت صحت کی تصانیف کا کیا عالم ہوگا؟

حضرت شیخ کے مرض نکسیر میں تصنیف پر گھناؤنے اعتراض کرنے والوں کو اپنے گریبان میں بھی جھانکنا چاہئے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

”نذیر حسین دہلوی کوشیق نفس کے دورہ کی شکایت تھی اور اسی دورے کی حالت میں لیٹ کر سبق پڑھایا کرتے تھے“ (ملخصاً الحیات بعد المات ص ۲۴۸)

نکسیر کو دماغی مرض بتانے والے اس دورے کے مریض کے متعلق کیا کہیں گے؟ اور پھر اسی حالت میں سبق پڑھانے میں کیا گل کھاتے ہوں گے؟ چونکہ جماعت غیر مقلدین کے تقریباً تمام بڑے بڑے علماء و اکابرین نذیر حسین کے شاگرد ہیں اس لئے ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ نذیر حسین کے شاگردوں نے ہندوستان بھر میں جو غیر مقلدیت کا گند پھیلا یا وہ اسی دورے کی حالت میں حاصل کئے ہوئے علم کا نتیجہ ہے۔

(۲) حضرت حنظلہؓ غسل اور حنظلہ کا تبؓ کے واقعات کو ملا کر مغالطے کی

کوشش

حضرت شیخ نے حکایات صحابہ ۳۶ پر حضرت حنظلہ کا تبؓ کا واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”وہ فرماتے ہیں جب ہم حضور ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت الگ ہوتی ہے، جنت جہنم گویا ہمارے سامنے ہوتی ہے؛ لیکن جب ہم اپنے بیوی بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ کیفیت نہیں رہتی، دل میں خیال

آیا کہیں یہ نفاق تو نہیں؟ اور اسی خیال میں یہ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکلے کہ حنظلہ منافق ہو گیا، راستہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے صورتحال دریافت کی اور ان کی گفتگو سن کر فرمانے لگے یہی کیفیت میری ہے، دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کارگزاری سنائی، آپ ﷺ نے دونوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ: حنظلہ کا ہے، گا ہے، یعنی انسان کی ایک ہی کیفیت ہمیشہ نہیں رہتی، ہمیشہ ایک ہی کیفیت پر رہنا تو فرشتوں کی صفت ہے“

اس کے بعد اسی کتاب کے ص ۷۵ پر حضرت حنظلہؓ غسل کا واقعہ لکھا ہے کہ:

”اُحد کے وقت ان کی نئی شادی ہوئی تھی، پہلی رات میں بیوی سے ملاقات کے بعد غسل بھی نہیں کیا تھا کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی خبر کان میں پڑی اور فوراً اسی حالت میں میدان جنگ میں پہنچ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے“ انتہی ملخصاً

ان دونوں واقعات کو پیش کر کے غیر مقلدین نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ دیکھو پہلے واقعہ میں حنظلہؓ کے بیوی بچوں کا تذکرہ ہے جبکہ دوسرے میں ہے کہ حنظلہؓ شادی کے پہلے ہی دن شہید ہو گئے، جب شادی کے پہلے ہی دن شہید ہو گئے تو بچے کہاں سے آئے؟ کیا پہلے ہی دن ان کے بچے بھی پیدا ہو گئے تھے؟ اس لئے دونوں میں ایک واقعہ جھوٹا ہے دونوں سچے نہیں ہو سکتے۔

اس اعتراض کی وجہ بھی دراصل کم علمی اور جہالت ہے، دونوں واقعات بالکل صحیح اور درست ہیں اور دونوں میں کسی طرح کا کوئی تضاد بھی نہیں؛ کیونکہ تضاد اس وقت ہوتا جب یہ دونوں واقعات ایک ہی شخص کے ہوتے، حالانکہ یہ دونوں واقعات دو الگ الگ شخصیتوں کے ہیں، صرف نام ایک ہونے سے شخصیت کا ایک ہونا لازم نہیں آتا، پھر یہ واقعات حضرت شیخؒ نے اپنی طرف سے نہیں لکھے؛ بلکہ حدیث کی میثار کتابوں سے نقل کئے ہیں، اس لئے یہ اعتراض حضرت شیخؒ یا فضائل اعمال پر نہیں؛ بلکہ حدیث و سیر کی ان بیشمار کتابوں پر ہے جن میں یہ دونوں واقعات لکھے ہوئے ہیں، اس لئے معترضین فضائل اعمال کے نہیں؛ بلکہ اکابر محدثین اور ان کی کتابوں کے دشمن ہیں۔

نفاق کا واقعہ حضرت حنظلہؓ اسیدی کا تب کا ہے

پہلا واقعہ جس میں بیوی بچوں کا تذکرہ ہے وہ حضرت حنظلہ بن الربیع الاسیدی التمیمی الکاتبؓ کا ہے، حضرت حنظلہ کا تبؓ کی یہ نفاق والی روایت مسلم شریف ج ۲ ص ۳۵۵ پر موجود ہے، مسلم شریف کے شارحین نے اس روایت کے تحت ان صحابی کے نام کی اچھی طرح وضاحت بھی کر دی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

”عن حنظلة الاسیدی وکان من کتاب رسول الله ﷺ.... منسوب الی بنی اسید بطن من بنی تمیم“ (شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۳۵۵) ترجمہ: حنظلہ اسیدی یہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبین وحی میں سے ہیں۔۔۔ اور قبیلہ بنو اسید کی طرف منسوب ہیں جو عرب کے مشہور قبیلہ بنو تمیم کی ایک شاخ ہے۔ تقریباً یہی بات علامہ ابی مالکیؒ نے اکمال المعلم ج ۷ ص ۱۵۵ پر، قاضی عیاض مالکیؒ نے شرح مسلم ج ۸ ص ۲۴۹ پر، اور غیر مقلد صفی الرحمن مبارکپوری نے اپنی کتاب مبنیٰ المنعم شرح مسلم ج ۴ ص ۲۶۶ پر لکھی ہے۔

مسلم شریف کے علاوہ یہ روایت ترمذی ج ۲ باب صفۃ القیامۃ، ابن ماجہ، مسند احمد بتحقیق احمد شاہ کرج ص ۱۳ ص ۴۳۴، طبرانی کبیر ج ۴ ص ۱۱ وغیرہ کتابوں میں بھی موجود ہے، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، مسند احمد کے محقق احمد شاہ کراور ناصر الدین البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو! صحیح ترمذی رقم ۲۵۱۴)

مختصر تعارف حضرت حنظلہ کا تبؓ

یہ عرب کے مشہور حکیم اکثم بن صیفی کے بھتیجے ہیں، غزوۃ الطائف میں جناب نبی کریم ﷺ نے انہیں صلح کا پیغام دیکر اہل طائف کے پاس بھیجا تھا، یہ جنگ قادسیہ میں بھی شریک ہوئے اور کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، جنگ جمل کے وقت یہ ان لوگوں میں سے تھے جو غیر جانبدار تھے اور قریبیاء میں آکر آباد ہو گئے تھے اور وہیں حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا انتقال ہوا، اس نفاق والی روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات ان سے مروی ہیں، مثلاً دیکھئے! طبرانی کبیر رقم الحدیث ۳۴۸۹ (کذا فی الاصابہ والاستیعاب)

اُحد میں شہادت کا واقعہ حضرت حنظلہ ابن ابی عامر الراہب کا ہے

دوسرا واقعہ جس میں شادی کے پہلے ہی روز شہادت کا تذکرہ ہے وہ حضرت حنظلہ ابن ابی عامر الصیفی الراہب المعروف بالغلیل کا ہے، یہ واقعہ بیشمار معتبر وثقہ محدثین نے اپنی حدیث و سیر کی درج ذیل کتابوں میں نقل کیا ہے۔

سیرۃ ابن اسحق ص ۳۱۲، صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۹۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۵۷، معرفۃ الصحابۃ لابن نعیم ج ۲ ص ۸۵۳، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۰۴، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۵، دلائل النبوة للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۶، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۲ ص ۱۳۹، اسد الغابۃ ج ۲ ص ۸۶، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲ ص ۴۵ وغیرہ امام بیہقیؒ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”وہو فیما بین اہل المغازی معروف“ کہ یہ واقعہ اہل مغازی کے یہاں معروف و مشہور ہے (سنن بیہقی)

امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجہا“ یہ حدیث امام مسلمؒ کی شرط کے مطابق صحیح ہے اگرچہ بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں کیا، امام ذہبیؒ نے بھی اس روایت کی تصحیح میں حاکم کی موافقت کی ہے۔ (مستدرک)

صحیح ابن حبان کے محشی اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: ”حدیث صحیح رجالہ ثقات“ یہ حدیث صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ و مضبوط ہیں (صحیح ابن حبان)

غیر مقلد ناصر الدین البانی نے اس روایت کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے (سلسلۃ الصحیحہ ج ۱ ص ۶۴۵، تحقیق ابن حبان ج ۱ ص ۱۰۷)

اس روایت کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک اور روایت اس کا شاہد موجود ہے جس کے الفاظ ہیں: ”لما أصیب حمزة بن عبد المطلب وحنظلة بن الراہب وھما جنبان فقال رسول اللہ ﷺ رأیت الملائکة تغسلھما“ (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۹۱، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۸) ترجمہ: جب حضرت حمزہ بن

عبدال مطلب اور حنظلہ بن راہب حالت جنابت میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا وہ ان دونوں کو غسل دے رہے تھے۔

علامہ بیہقیؒ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں: ”رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن“ (مجمع) کہ یہ روایت طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے

مختصر تعارف حضرت حنظلہ بن صیفی الراہب

قال البغوی: حنظلہ بن ابی عامر اخی بنی عمرو بن عوف توفی علی عهد رسول اللہ ﷺ ولم یدزلہ حدیثاً (معجم الصحابہ ج ۲ ص ۱۸۸)

وقال ابونعیم: حنظلہ بن ابی عامر بن الصیفی بن النعبان الراہب الانصاری ثم الاوسی (معرفة الصحابة ج ۲ ص ۸۵۳)

حنظلہ ابن ابی عامر کے والد ابو عامر الراہب عداوت رسول اللہ ﷺ میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی طرح پیش پیش تھے، عبداللہ ابن ابی نے تو اپنی عداوت پر منافقت کا پردہ ڈال لیا؛ لیکن ابو عامر اپنی عداوت کو چھپانے کا اور مدینہ منورہ سے بھاگ کر کفار مکہ کے ساتھ جا ملا اور پھر اُحد میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے آیا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھا؛ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ مکہ چھوڑ کر روم بھاگ گیا اور ہر قل سے جا ملا اور وہیں ہر قل کے پاس وہ یلہ میں حالت کفر میں مرا۔ (کذا فی الاستیعاب) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

”واسلم ابنہ حنظلہ فحسن اسلامہ واستشهد بأحد لا یختلف اهل المغازی فی ذلك“ (الاصابہ ج ۲ ص ۴۵) ترجمہ: ابو عامر کے بیٹے حنظلہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام بہت اچھا رہا (یعنی ہر قسم کے نفاق وغیرہ سے پاک) اور اُحد میں شہید ہو گئے اہل مغازی کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام بغویؒ کے بقول ان کی کوئی حدیث کتابوں میں نہیں ملتی۔

در اصل غیر مقلد معترضین اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے کہ صحابہ میں حنظلہ نام کے صرف ایک ہی صحابی ہیں، حالانکہ اگر انہوں نے حدیث و تاریخ کا معمولی مطالعہ بھی کیا ہوتا تو ہرگز اعتراض نہ کرتے ”کیونکہ حنظلہ نام کے کئی صحابہ ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے کئی محدثین نے حنظلہ نام کے ۱۴ صحابہ کا تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو (الاصابہ فی معرفة الصحابہ)

اگر ان دونوں واقعات کو نقل کرنے کی وجہ سے حضرت شیخؒ پر اعتراض ہو سکتا ہے تو غیر مقلدین کے مایہ ناز محدث ناصر الدین البانیؒ پر تو بدرجہ اولیٰ اعتراض ہونا چاہئے؛ کیونکہ اس نے ان دونوں واقعات کو نہ صرف نقل کیا؛ بلکہ ان دونوں کی تصحیح بھی کی ہے۔ (ملاحظہ ہو! السلسلة الصحيحة ج ۱ ص ۶۴۵ اور صحیح ترمذی بتحقیق الالبانی رقم ۲۵۱۴)

ہم معترضین کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ خدا را کچھ علم سیکھیں اس کے بعد فضائل اعمال کا مطالعہ کریں

ان شاء اللہ کوئی اعتراض ہوگا ہی نہیں، اور اگر اسی طرح جہالت کے ساتھ کہ اس کا سلسلہ جاری رکھا تو جس عوام کو عربی جے اور رومال لگا کر بے وقوف بناتے ہو حقیقت سامنے آنے کے بعد وہی لوگ تمہارے منہ پر تھوکیں گے۔ ان شاء اللہ

(۳) حضرت ام حکیمؓ کے واقعہ پر اعتراض کا جواب

حضرت ام حکیمؓ مشہور صحابی حضرت عکرمہ ابن ابی جہل کی بیوی تھی، حضرت شیخؒ نے حکایات صحابہ ص ۱۲۷ پر ان کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس میں یہ بیان کیا ہے کہ:

”حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی تو اس میں عکرمہ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی (ام حکیمؓ) ساتھ تھیں، حضرت عکرمہ اس میں شہید ہو گئے تو خالد بن سعید نے ان سے نکاح کر لیا اور اسی سفر میں مرج الصفر ایک جگہ کا نام ہے وہاں رخصتی کا ارادہ کیا“

اس واقعہ پر غیر مقلد معترضین نے ایک نہایت ہی سطحی قسم کا اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ شیخؒ زکریا کے بیان کے مطابق حضرت عکرمہؓ کی شہادت کے فوراً بعد ان کی بیوہ ام حکیمؓ سے اسی سفر میں خالد بن سعید نے نکاح کر لیا، جب اسی شہادت کے بعد اسی سفر میں نکاح کر لیا تو چار ماہ دس روز کی عدت کہاں گئی؟ شیخؒ زکریا نے اس واقعہ میں ایک صحابی اور صحابیہ پر جھوٹا الزام لگایا ہے کہ انہوں نے بغیر عدت گزارے نکاح کر لیا، شیخؒ کو صحابہ پر اس قسم کے گندے الزام لگاتے ہوئے شرم کرنی چاہئے تھی۔ وغیرہ وغیرہ

جواب

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ جیسے عظیم محدث و محقق پر اس قسم کے جاہلانہ و سطحی اعتراض کرتے ہوئے معترضین کو شرم کرنی چاہئے؛ کیونکہ حضرتؒ کے بیان کردہ واقعہ میں کہیں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت ام حکیمؓ نے بغیر عدت دوسرا نکاح کر لیا تھا، یہ نتیجہ معترضین نے اخذ کیا ہے جو ان کی پست ذہنیت کی پیداوار ہے۔

اولاً: اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت شیخؒ نے اپنی طرف سے نہیں لکھا؛ بلکہ معتمد، معتبر وثقہ محدثین کی کتابوں سے نقل کیا ہے، متعدد محدثین و مؤرخین نے حضرت ام حکیمؓ کے ترجمہ میں اس واقعہ کو نقل کیا۔ مثلاً:

امام محمد بن سعد بن منیع طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۹۲، ۹۳

حافظ ابن عساکر تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۲۶، ۲۲۷

حافظ ابن حجر عسقلانی الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۸ ص ۲۲۵

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص ۹۹

حافظ ابن اثیر جزئی اسد الغابہ ج ۷ ص ۳۰۹

ان مذکورہ تمام محدثین نے بغیر کسی نکیر کے اس واقعہ کو بیان کیا ہے، حافظ ابن عساکرؒ نے متعدد سندوں کے ساتھ جبکہ امام ابن سعدؒ نے اخبرنا محمد بن عمر قال حدثنی عبد الحمید بن جعفر عن ابیہ کی بہترین

سند سے اس روایت کی تخریج کی ہے، اس لئے معترضین کو چاہئے کہ جو اعتراض حضرت شیخ اور ان کی کتاب فضائل اعمال پر کیا ہے اب وہی اعتراض ان تمام محدثین اور ان کی مذکورہ کتب پر بھی کریں۔

ثانیاً: اگرچہ حضرت شیخ کے ذکر کردہ واقعہ میں عدت کا تذکرہ نہیں؛ لیکن چونکہ واقعہ معتبر ہے اور معتبر محدثین نے اپنی معتبر کتابوں میں سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے اس لئے صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر ہمیں ہر حال میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ چاہے واقعہ میں عدت کا ذکر ہو یا نا ہو؛ لیکن حضرت ام حکیمؓ نے شوہر کی شہادت کے بعد مکمل عدت گزاری اس کے بعد دوسرا نکاح کیا، ممکن ہے کہ راوی نے قصداً عدت کا ذکر نہ کیا ہو کیونکہ اسے معلوم تھا کہ صحیح ذہنیت اور فطرت سلیمہ رکھنے والے حضرات صحابہؓ کے بارے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ علی الاعلان حکم شریعت کی اس طرح مخالفت کریں گے، اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت ام حکیمؓ نے بغیر عدت نکاح کر لیا تو حضرت ام حکیمؓ اس وقت ہزاروں صحابہ کی جماعت کے ساتھ تھیں اور ان کے شوہر عکرمہؓ کی شہادت بھی سبھی کے علم میں تھی پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے بغیر عدت گزارے دوسرا نکاح کرنے پر ہزاروں صحابہ کی جماعت خاموش رہے اور کوئی نکیر نہ کرے؟ اس طرح تو معاذ اللہ تمام صحابہ مجرم قرار پائیں گے۔

راجعاً: اگر معترضین کا یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ جس واقعہ میں وفات یا طلاق کے بعد دوسرے نکاح کا ذکر ہو اور عدت گزارنے کا ذکر نہ ہو وہ جھوٹا واقعہ ہے اور اس کا ناقل صحابہ کا دشمن ہے تو ہم بطور نمونہ صرف بخاری شریف سے دو مثالیں ذکر کرتے ہیں اور معترضین کو دعوت دیتے ہیں کہ یا تو ان واقعات میں طلاق کے بعد دوسرے نکاح سے پہلے عدت کا ذکر دکھائیں یا پھر انہیں بھی جھوٹا قرار دیکر امام بخاریؒ کے اوپر بھی وہی اعتراض کر دیں جو حضرت شیخ پر کیا ہے۔

(۱) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: ان امرأة رافعة القرظی جاءت الی رسول اللہ ﷺ فقالت یا رسول اللہ! ان رفاعۃ طلقنی فبت طلاقاً وانی نکحت بعدہ عبدالرحمن بن زبیر القرظی الخ (بخاری ج ۲ ص ۹۱)، ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رفاعہ قرظی کی بیوی جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ رفاعہ نے مجھے طلاق مغالطہ دیدی اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا۔

(۲) عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رجلاً طلق امرأته ثلثاً فتزوجت فطلق الخ (بخاری ج ۲ ص ۹۱)، ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا تو اس دوسرے شوہر نے بھی طلاق دیدی۔

دیکھئے! ان دونوں روایتوں میں طلاق کے بعد دوسرے نکاح کا تو ذکر ہے؛ لیکن طلاق کی عدت کا کوئی ذکر نہیں، اب اگر کوئی شخص غیر مقلد معترضین کی ذہنیت والا یہاں بھی اعتراض کر بیٹھے کہ دیکھو بخاری نے ایسا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں صحابہؓ کے بغیر عدت گزارے نکاح کا تذکرہ ہے اس لئے یہ واقعہ جھوٹا ہے اور اسے بیان کرنے والا (امام بخاریؒ) معاذ اللہ صحابہ پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے، وغیرہ وغیرہ تو معترضین کیا جواب دیں گے؟ فہما جو جواب کم فہو جوابنا

خامساً: اس روایت کے بعض طرق میں حضرت عکرمہؓ کی شہادت کے بعد حضرت ام حکیمؓ کے عدت

گزارنے کا واضح بیان موجود ہے جیسا کہ ابن عبدالبرؒ اور ابن عساکرؒ نے واقدی اور ابن سعد کے حوالے سے فاعتدت اربعة اشهر وعشرا کے صاف وصریح الفاظ نقل کئے ہیں، اس لئے اب کوئی اعتراض ہی نہیں بنتا، معترضین کو چاہئے کہ اعتراض کرنے سے پہلے کچھ کتابیں الٹ کر دیکھ لیا کریں۔

یہ واقعہ مذکورہ محدثین میں بعض نے عدت کے ذکر کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض نے بغیر ذکر کے، حضرت شیخ نے غالباً ان محدثین کی کتابوں سے نقل کر دیا جن کے یہاں عدت کا ذکر نہیں تھا، اس لئے کوئی اعتراض نہیں۔

در اصل معترضین کو دھوکہ یہاں سے لگا کہ روم کے سفر میں حضرت عکرمہؒ شہید ہوئے اور اسی سفر میں ان کی بیوی ام حکیم نے خالد بن سعیدؓ سے دوسرا نکاح کر لیا، معترضین بیچارے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سفر بھی آج کل کے ہمارے اسفار کی طرح دو چار روز یا زیادہ سے زیادہ ہفتے دس دن کا ہوگا، اس لئے اتنی کم مدت میں عدت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حالانکہ اگر بیچاروں نے کچھ لکھا پڑھا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا یہ سفر کوئی دو چار روز یا ہفتے دس دن کا سفر نہیں تھا؛ بلکہ کئی مہینوں اور کئی سالوں پر محیط تھا، کیونکہ حضرت عکرمہؒ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں ۳۱ھ میں اپنا لشکر لیکر روم تشریف لے گئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر میں جا کر مل گئے تھے، اور پھر اس لشکر نے یرموک، مرج الصفر، اجنادین وغیرہ کی جنگیں لڑیں، اسی دوران حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات ہو گئی اور حضرت عمرؓ خلیفہ بنے، حضرت عمرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو سپہ سالار بنایا، اور پھر حضرت ابوعبیدہؓ کی قیادت میں اسی لشکر نے ۵۱ھ میں بیت المقدس فتح کیا (البدایہ والنہایہ)

گویا یہ سفر کئی سالوں پر محیط تھا اور اتنے لمبے عرصے میں کتنے ہی نکاح ہو سکتے ہیں اور کتنی ہی عدتیں گزاری جاسکتی ہیں۔ واللہ اعلم

(جاری)

(بقیہ صفحہ ۵۳ کا)

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا ایک پروگرام بمبئی سینٹر میں رکھا گیا اور حضرت مولانا ارشاد احمد صاحبؒ نے بھی حضرت حکیم الاسلامؒ کی معیت میں اس اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اور حضرت حکیم الاسلامؒ نے ہزاروں کے مجمع میں سیرت رسولؐ پر ایسا با اثر خطاب فرمایا کہ پورے مجمع میں لرزہ پیدا ہو گیا اور اسی اجلاس میں ہزاروں کی کایا پلٹ گئی اور ہزار ہا ہزار افراد نے اس خطاب کے بعد مسلک دیوبند کو سینے سے لگایا اور اپنی پچھلی بدگمانی سے تائب ہو گئے اور بہتوں نے رورو کر توبہ کی۔ اس دن سے مسلک دیوبند کیلئے بمبئی کا راستہ کھل گیا۔ اس کے بعد الحمد للہ بمبئی کی ہزاروں مسجدیں مسلک دیوبند کے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور چھوٹے بڑے دسیوں (بلکہ ہزاروں) مدارس قائم ہو گئے اور مسلک دیوبند کے مدارس کیلئے بمبئی چندہ کا اہم مرکز بن گیا۔

(ماخوذ از: ماہنامہ ”ندائے شاہی“ مراد آباد مئی ۲۰۱۷ء جلد ۱۹ / شمارہ ۵ / مقالہ بنام: حکیم الاسلام حضرت مولانا

قاری محمد طیب صاحبؒ برصغیر کی عظیم الشان شخصیت، مقالہ نگار: حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد یو۔ پی)

اپیل

الحاق حق اور بطلان باطل کی اہم ترین ذمہ داری کا بحسن و خوبی اہتمام دینے کے لئے ادارہ ساری کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے شہر بہان گندھ میں میگا ہائی وے اور پھول پائی وے کے درمیان سے تحصیل سالارہے ہائیں لاکھ اپنے کی ایک زمین خریدی گئی ہے جس کا پچھلے سال سے چار ہزار گز ہے زمین کی آمدنی سے زیادہ قیمت مانگی جاتی ہے اس زمین پر ایک ایسے ادارے کی تعمیر زیرِ تجویز ہے جس میں دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی اور نگرانی میں مدارس کے فارغ التحصیل بکوروں و پھول پائے شخصوں اور بی ایچ ای کرائی جانے کی جس کے لئے دارالعلوم دیوبند اور ملک کے دیگر مسیحہ اداروں کے اہلکار و شخصوں کی خدمات حاصل کی جائیں گی، نیز تحقیق و توثیق کی ضرورت پڑتی کرے کے لئے ایک عظیم مکان الامیری کا قیام بھی عمل میں لایا جائے گا۔

اس کثیر الصارفہ و وسیع کی تکمیل ہم جی دستوں کے لئے بظاہر نا ممکن ہے، لیکن خدا کی نصرت بھی پورا کر کے پورا کر کے ہے امید ہے کہ ان خیر اور عظیم دوست و مسکنی مسیحہ و غیرہ رکھنے والے حضرات اس چاہ توجہ فرما کر اس عظیم الشان کام کی تکمیل کا ارادہ نہیں کریں گے۔ اس کے صلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ آمین

مرکزی دفتر مجلس تحفظ سنت

11 انول روڈ بہان گندھ ضلع چورہ (راجستھان) 331507

رابطہ نمبر: 9024799841, 9457637025